مالیات کا اسلامی نظام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، رائے بریلی

besturdubooks.wordpress.com

باراول

۱۴۲۵ھ ــــــــــــ ۲۰۰۴ء

نام کتاب : مالیات کا اسلامی نظام

نام مصنف : حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

کمپوزنگ : عطاء الرحمٰن (تعمیر حیات)

طباعت : پارکھ آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

صفحات :

تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

قیمت :

ناشر : سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، رائے بریلی

ملنے کے پتے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

فہرست مضامین

صفحات	مضامین	نمبر شمار
۳	عرض ناشر	۱
۵	مقدمہ	۲
۹	مالیات کا اسلامی نظام	۳
۹	رب اور بندہ کا تعلق	۴
۱۲	اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی تخیل	۵
۱۵	مال و دولت اور قرآنی تعلیم	۶
۲۹	زکوٰۃ ایک ایمانی طاقت	۷
۳۸	اسلامی نظام زکوٰۃ	۸
۴۶	مال و دولت اور اسوۂ رسول اکرم ﷺ	۹
۴۷	حضور ﷺ اور اہل بیت کی زندگی	۱۰
۵۱	صحابۂ کرام کی زندگی	۱۱
۵۵	ایثار و ہمدردی کے جستہ جستہ واقعات	۱۲
۶۱	رضاکارانہ اور فطری جذبۂ ہمدردی یا جبری اور محدود نظریۂ مساوات	۱۳

✿✿✿

عرض ناشر

معاش اور معاد کا جو جامع ترین نظام اسلام نے پیش کیا ہے کسی بھی دین ومذہب اور نظام وفلسفہ میں اس کا تصور بھی مشکل ہے، آخرت کا عقیدہ تو اس کی بنیاد میں داخل ہے، اعمال کی درستگی میں اس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، قرآن وحدیث میں جگہ جگہ اس کی تذکیر ملتی ہے آخرت کے مکمل استحضار اور یقین کی تعلیم کے ساتھ اسلام نے دنیا برتنے کا بھی ایک پورا نظام پیش کیا ہے اور اس کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ اہل حقوق کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، نفس کے تقاضے کس حد تک پورے کئے جائیں، مال ودولت کی حیثیت کیا ہے، اس کی تقسیم کس طرح کی جائے، کس حد تک اس سے فائدہ اٹھایا جائے، اسلام میں ان تمام چیزوں کے لئے تعلیمات موجود ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اسلام کے مختلف پہلوؤں پر اپنی تصانیف میں روشنی ڈالی ہے اور جدید تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے خوبصورت اسلوب میں ان کو پیش کیا ہے۔ حضرت مولاناؒ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسلوب وطریق نگارش خوب سے خوب تر ہے، جدید تقاضوں کی رعایت بھی ہے لیکن کہیں پر بھی کتاب وسنت اور فکر سلف سے ذرا بھی انحراف نہیں پایا جاتا، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف قرآن وحدیث پر ان کی گہری نگاہ ہے، علوم شریعت انہوں نے ماہرین فن سے حاصل کئے ہیں اور دوسری طرف دنیا کے حالات اور تقاضے ان کے سامنے ہیں اور اس کا بھی انہوں نے گہری

نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ پیش نظر کتاب میں حضرت مولاناؒ نے مال و دولت کے بارے میں اسلامی نظام کو بہترین اسلوب میں پیش فرمایا ہے۔ یہ ایک مستقل مفصل مضمون تھا جو تقریباً پچاس سال پہلے شائع ہوا تھا، اب اس کو باقاعدہ کتابی شکل میں پیش کیا جارہا ہے، اس کے ساتھ حضرت مولاناؒ کی تصنیفات میں اس موضوع سے متعلق مزید جو مواد مل سکا وہ بھی شامل کردیا گیا ہے، جہاں ضرورت سمجھی گئی عنوانات بھی لگادیئے گئے ہیں۔

راقم مشکور ہے عم مخدوم و معظم مولانا واضح رشید ندوی صاحب کا کہ انہوں نے کتاب ملاحظہ فرما کر اس پر بیش قیمت مقدمہ بھی تحریر فرمایا۔

اب یہ مکمل کتاب ناظرین کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو راقم کے لئے مغفرت کا وسیلہ بنائے، اور حضرت مولاناؒ کی روح کو شاد فرمائے۔ آمین

۲۰ رجمادی الثانی ۱۴۲۵ھ

بلال عبدالحی حسنی ندوی
دار عرفات، دائرہ شاہ علم اللہ
رائے بریلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مولانا محمد واضح رشید ندوی

(صدر شعبۂ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء)

الحمدلله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى!

مال کے بارے میں اسلام کا بنیادی تصور یہ ہے کہ مال اللہ کا جو رزاق ہے عطا کردہ ہے، وہ جس کو جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے، "**يرزق من يشاء بغير حساب**" وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے، اور "**يرزقه من حيث لا يحتسب**" اور وہ ایسی جگہ سے عطا کرتا ہے جس کا خیال بھی انسان کو نہیں ہوتا۔ ملک، قوت، سطوت، کے بارے میں بھی اسلامی تصور یہ ہے جس کا قرآن کریم میں وضاحت سے ذکر ہے، "**تؤتي الملك من تشاء، وتنزع الملك ممن تشاء**" اسی طرح صاحب مال کی ساری مالی قوت کو جس وقت چاہے ضبط کر لیتا ہے، اس کی عقل، اس کی محنت، اس کی تدبیریں سب دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، اور وہ ان ساری صلاحیتوں کے ساتھ مفلس اور کنگال ہو جاتا ہے، اس کی کوشش وصلاحیت اور ثمرہ بھی خدا کے ہاتھ ہے، اس کی مثال قارون کے قصہ میں دی گئی ہے، قارون پر دوسرے رشک کرتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ اس جیسی دولت ان کو حاصل ہو جائے، جس کے خزانوں کی کنجیوں کا بوجھ اٹھانا آسان نہیں تھا، "**ان مفاتحه لتنوء بالعصبة اولي القوة**" لیکن معطی حقیقی نے جب چاہا تو "**خسفنا به الارض**"، اس کو مع دولت اور عقل وحکمت کے دھنسا دیا گیا، اور رشک کرنے والوں نے بڑا شکر ادا کیا کہ وہ

اس انجام سے محفوظ رہے۔

فرعون کا قصہ بھی اسی لئے قرآن کریم میں دہرایا گیا ہے کہ طاقت والے، وسائل کے مالک، جاہ وحشم کے مالک یہ نہ سمجھیں کہ یہ سب ان کی ملکیت ہے، اور وہ ہمیشہ ان کے مالک رہیں گے، اور ان کی اولاد میں بھی وہ عزت منتقل ہوگی، ایسا ہرگز نہیں، ہر ایک کے ساتھ اللہ کا معاملہ، عطاء کا اور سلب کا، اور مقدار کا الگ الگ ہے۔

اسلام اور غیر اسلام میں اس مسئلہ میں بنیادی فرق اسی میں ہے، اور اسی پر مالی نظام کا انحصار ہے، اشتراکی تصور میں ملکیت اسٹیٹ کی، محنت انسان کی، اسٹیٹ اس کی ضرورت کے مطابق اس کی محنت کا ثمرہ یا اس کو اس کا مقرر کردہ حصہ دیتی ہے، اس کے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں، اس لئے کہ مال اس کی ملکیت نہیں ہے، پھر خرچ کا مسئلہ نہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں مال محنت کرنے والے، عقل وتدبیر کے مالک کا ہے، وہ اپنی مرضی سے کمائے، اپنی مرضی سے خرچ کرے، اسٹیٹ ٹیکس کی شکل میں اس سے اس کا ایک حصہ لے لیتی، اور کمانے والا صرف اپنی ذات یا ذات سے قریب ترین لوگوں کی فکر کرتا ہے، اور اگر صرف اپنی ذات کی فکر کرتا ہے، دوسروں کو نظر انداز کرتا ہے تو کوئی عیب کی بات نہیں۔ اس طرح طاقت بھی مال کی طرح انسان کا اپنا حق ہے، وہ جس طرح چاہے حاصل کرے، اور جس طرح چاہے اس کا استعمال کرے، نظام کو قائم کرنے کے لئے توانین بنائے جاتے ہیں، جن سے عقل والے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس طرح دنیا میں خودغرضی، اور محرومی، افراط اور تفریط کا نظام پایا جاتا ہے۔

اسلام نے ملکیت کے بارے میں واضح کردیا کہ وہ اللہ کی ہے، مال اور وسائل کے حصول کے لئے اصول مقرر کردیئے، کہ وہ بھی اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہونے چاہئے، ان وسائل کے استعمال کے بھی اصول مقرر کردیئے، تاکہ اس کا لازمی اثر طغیان سرکشی، اور استحصال نہ پیدا ہو، اس لئے دولت اور قوت دونوں اگر کنٹرول میں نہ ہوں تو طغیان، سرکشی، اور ظلم وزیادتی کا سبب بنتی ہے۔

اس طرح کسب، چاہے مال کا ہو یا قوت کا، وہ بھی اسلام میں اصول وضوابط کا تابع ہے، اور انفاق، یا استعمال اس کے بھی اصول وضوابط مقرر ہیں، مگر یہ قانون کے ذریعہ نہیں، قانون کے ذریعہ جبر کا احساس پیدا ہوتا ہے، ترغیب وترہیب کے ذریعہ، آخرت میں حساب وکتاب کے تصور کے ذریعہ، اور اللہ کی ناراضگی سے ان کے سلب ہو جانے کے تصور کے ذریعہ، حقوق کی نشاندہی کے ذریعہ، اسراف اور بخل دونوں کی مذمت کے ذریعہ اور اس پر عذاب اور محاسبہ کے تصور سے، اس کے ساتھ ساتھ، ایثار، قناعت، ہمدردی اور خدمت خلق، مواساۃ، اور شکر کے اختیار کرنے کی ترغیب بھی بکثرت قرآن وحدیث میں دی گئی ہے اور اس کی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں، حکام کی تاریخ میں، اور اصحاب مال اغنیاء کی تاریخ میں، اقویاء کی تاریخ میں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ حقوق کو اتنی تفصیل اور تاکید سے بیان فرماتے تھے کہ بعض وقت خیال ہوتا تھا کہ ہمارے مال میں خود ہمارا کوئی حق نہیں سب دوسروں کا ہے۔

یہ ایسا عادلانہ نظام ہے جو سارے مسائل کا حل ہے، لیکن اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے، اگرچہ یہ ایسا موضوع ہے جس پر دنیا کے دو نظاموں کا انحصار ہے اور دونوں میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، اور اس کے نتائج لوگ دیکھ رہے ہیں۔

سید قطب شہیدؒ کی کتاب ''العدالة الاجتماعیه فی الاسلام'' بہت مقبول ہوئی اور اردو میں اس کا ترجمہ بھی ہوا، مگر وہ خواص کے لئے ہے، اور اس کا اسلوب فنی ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام پر بعض اہل قلم کی کتابیں ہیں، مگر ان کتابوں میں اشتراکیت اور راس مالیت کے نظاموں کو سامنے رکھ کر بحث کی گئی ہے، اور اس کو اہل فن وعلم سمجھ سکتے ہیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی بعض تحریریں اس موضوع سے متعلق تھیں، جو دوسرے موضوعات کا جزء تھیں، عزیزی مولوی بلال عبدالحی حسنی نے جو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی تحریروں کو جمع کرنے سے دلچسپی رکھتے ہیں، جو مستقل

موضوع کی حیثیت رکھتی ہیں مگر کسی دوسرے بڑے موضوع کے ضمن میں آجانے کی وجہ سے وہ نمایاں نہیں ہو پائیں، اس اہم موضوع پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تحریروں کو جمع کر دیا، جو اپنے انتہائی اختصار کے باوجود اس مسئلہ کے سارے پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں، جس میں سب سے اہم مسئلہ ملکیت، اور اس میں کمانے والے کی حیثیت کی تعیین کا ہے۔ اس کے بعد اس مال میں اس کا کیا حق ہے، اور دوسروں کا کیا حق ہے، یہ دوسرا اہم مسئلہ ہے۔ تیسرا اس کے حصول میں اور اس کی حفاظت میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، اور پھر دوسروں کا حق، چاہے وہ حکومت کا ہو، سماج کا ہو، خاندان کا ہو، رفاہی کاموں کا ہو، اپنی ذات کا ہو، اس میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

عام طور پر لوگ زکوۃ، صدقات کا ذکر کرتے ہیں، بنیادی مسئلہ مال کے حصول اور اس کی ملکیت، اس کے صرف کا ہے، اور اس کے لازمی مواقع، اور نفلی مواقع، اور پھر نفع، نقصان کے وقت صاحب مال کی کیا پوزیشن یا ردعمل ہونا چاہئے۔ یہ مسائل اس تحریر میں بہت نمایاں طور پر آگئے ہیں، اس طرح ایک خلا پر ہو جاتا ہے، اور یہ تحریر کلیدی تحریر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، جس کی بنیاد پر تفصیلی بحث کی جاسکتی ہے۔

اللہ جزائے خیر عطا فرمائے عزیزی مولوی بلال عبدالحی حسنی کو اس سے ان کے والد محترم مولانا محمد الحسنیؒ جن کی زندگی اپنے عم محترم حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کو منتقل کرنے میں صرف ہوئی، ان کی روح کو بھی مسرت ہوگی، اور ان کے جد مکرم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ انتہائی ایجاز کے ساتھ ایک طویل اور عمیق اور فکری موضوع کو پیش کیا گیا ہے۔

وجزاه الله عنا جميعا

واضح رشید ندوی

مالیات کا اسلامی نظام

رب اور بندہ کا تعلق

رب اور بندہ کے درمیان جو تعلق قائم ہے وہ ایسا تعلق ہے، جس کے لئے کوئی نظیر، اساس یا پیمانہ ہمارے ان تعلقات میں موجود نہیں جن سے ہم آشنا ہیں، ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک رحیم و کریم اور منعم اور فیاض مالک، اور فقیر و ذلیل، مفلس و محتاج اور عاجز و درماندہ انسان کا تعلق ہے، اور اس رب کریم کی صفات کمال، افعالِ قدرت، ربوبیت تامہ اور اس کی محبت و رأفت اور لطف بے نہایت کا یہ ادنی تقاضا ہے کہ بندہ دل و جان سے اس پر قربان ہو جائے اور نہ صرف مال و زر بلکہ روح و دل ہر چیز اس پر بصد شوق نثار کرنے کے لئے تیار رہے۔

اب ہمیں اس کی ربوبیت عامہ، رحمت و ہدایت، لطف و عنایت، اور کرم و بخشائش کے مظاہر پر غور کرنا چاہئے، یہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے انسان کو یہ متناسب و موزوں لباس وجود عطا کیا اور اس کو زمین کے خزانوں اور ذخیروں، اور اس کے وسیلوں اور سرچشموں سے فائدہ اٹھانے کی طاقت بخشی اور اس غرض سے اس کے اندر نہایت لطیف، نازک اور حکیمانہ و معجزانہ نظام قائم فرمایا، اس کے اندر بحث و جستجو کا ذوق، ان وسائل و ذخائر کے استعمال، ان کی تنظیم، تبادلہ، باہمی تعاون اور لین دین کی صلاحیت پیدا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ربوبیت و ہدایت کائنات کے تمام انواع و اجناس اور

اصناف وموجودات میں جلوہ گر ہے ﴿اَلَّذِي اَعْطىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدىٰ ۝﴾[1] ''جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا کی پھر اس کی رہنمائی کی'' لیکن انسان کو (جو اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بھی ہے) اس کا سب سے بڑا حصہ ملا ہے اور وہی اس کا سب سے بڑا مظہر اور مرکز تجلی ہے۔

﴿ولقد كرمنا بني آدم وحملنٰهم في البر والبحر ورزقنٰهم من الطيبات وفضلنٰهم على كثير ممن خلقنا تفضيلا۝﴾[2]

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور ہم نے انھیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں عطا کیں، اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی۔''

اس نے اس کے لئے زمین کو ہموار اور فضا کو ساز گار بنایا اور زمین کی مخفی طاقتوں، پوشیدہ خزانوں، آبی ذخیروں اور خام معدنیات سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ، شوق اور استعداد پیدا کی۔

﴿هو الذي جعل لكم الأرض ذلولا فامشوا في مناكبها وكلوا من رزقه ط﴾[3]

''وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کر دیا سو تم اس کے راستوں پر چلو پھرو اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی میں سے کھاؤ (پیو)۔''

اس لئے انسان کے لئے زندگی کی ان ضروری اشیاء کو جو (شہری و دیہاتی، ترقی یافتہ اور پسماندہ) ہر قوم کے لئے زندگی کا آسرا اور غذا کا سرچشمہ ہیں، اور جن کے بغیر زندگی کا وجود ناقابلِ تصور ہے، یعنی غلہ پانی اور آگ کو نہ صرف مسخر کیا بلکہ عام و ارزاں بنایا:

﴿أفرأيتم ما تحرثون ۝ أأنتم تزرعونه أم نحن الزارعون ۝ لو نشآء لجعلناهُ حطاما فظللتم تفكهون ۝ انا لمغرمون، بل نحن

(۱) سورۂ طٰہٰ/۵۰۔ (۲) سورۂ اسراء/۷۰۔ (۳) سورۂ ملک/۱۵

محرومون ٥ أفرأيتم المآء الذي تشربون ٥ أأنتم أنزلتموه من المزن أم نحن المنزلون ٥ لو نشآء جعلناه أجاجا فلولا تشكرون ٥ أفرأيتم النار التي تورون ٥ أأنتم أنشأتم شجرتهآ أم نحن المنشؤن ٥ نحن جعلناها تذكرة ومتاعا للمقوين ٥﴾ (۱)

''اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا (اس کے) اگانے والے ہم ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورا چورا کر دیں پھر تم حیرت کرنے لگو (اب کی تو) ہم پر تاوان پڑ گیا، بلکہ ہم (بالکل ہی) محروم رہ گئے، اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا (اس کے) برسانے والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کڑوا کر ڈالیں، تو تم شکر کیوں نہیں کرتے، اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے نفع کی چیز بنایا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جمادات وحیوانات کے برعکس ذوقِ جمال، حسن ونفاست، قوتِ نمو اور تنوع وترقی کا ایک ایسا جذبہ رکھا ہے، جس کے دم سے زندگی کی یہ رونق قائم اور اس کا خون رواں اور گرم ہے، اور اس دنیا کی ساری تعمیر وترقی، تنوع وجدت پسندی اور ایجادات وانکشافات دراصل اسی جذبہ کے مرہون منت ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كلا نمد هؤلآء وهؤلآء من عطآء ربك وما كان عطآء ربك محظورا ٥ أنظر كيف فضلناهم بعضهم على بعض ط وللآخرة أكبر درجات وأكبر تفضيلا ٥﴾ (۲)

''ہم ہر ایک کو بڑھ بڑھ کر دیتے ہیں ان میں سے بھی اور ان میں سے بھی آپ کے پروردگار کی بخشش میں سے، اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی پر) بند نہیں، تو دیکھ

(۱) سورۂ واقعہ/۶۳-۷۳۔ (۲) سورۂ اسراء/۲۰-۲۱۔

ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت یقیناً بہت بڑی ہے درجات کے اعتبار سے بھی اور بہت بڑی ہے فضیلت کے اعتبار سے بھی۔"

اس نے اس کے اندر ایک دوسرے کا تعاون کرنے، حقوق کا خیال رکھنے، ملک کے امن وسلامتی کو برقرار رکھنے، اکل حلال اور مشترکہ منافع کے حصول کے لئے مہم جوئی و خطر پسندی کا جذبہ اور شوق پیدا کیا، انسانیت کا کوئی طبقہ اور تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں جو اس جذبہ سے خالی اور اس صلاحیت سے محروم رہا ہو:

﴿لِإِيلَٰفِ قريش ○ إلفهم رحلة الشتآء والصيف○ فليعبدوا رب هذا البيت○ الذيٓ أطعمهم من جوع وامنهم من خوف ○﴾ (۱)

"قریش کو خوگر ہونے کی بناء پر، اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہونے کی بنا پر، چاہئے تھا کہ اس خانہ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا، اور انہیں خوف سے امن دیا۔"

اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی تخیل

ان مسلمہ حقائق اور فطری صورت حال کا (جس میں انسان کا عجز وافلاس اور اس کا ضعف و بے حقیقتی اپنی آخری شکل میں کھل کر ظاہر ہو رہی ہے، اور جس میں خدا کی ربوبیت کاملہ بھی پوری طرح جلوہ گر ہے) نیز عقل، منطق اور ذوق سلیم کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی چیز انسان کی ملک نہ سمجھی جائے، کوئی چیز اس کی طرف منسوب نہ کی جائے، اور مختصر الفاظ میں اس سے وہ معاملہ کیا جائے جو اس شیر خوار اور چھوٹے بچہ سے کیا جاتا ہے جو اپنے والدین کی گود میں پلتا اور ان کی انگلی پکڑ کو چلتا ہے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ انسان اس عظیم کائنات میں اور اس بلند و برتر اور قادر مطلق پروردگار کے سامنے اس بچہ سے بھی زیادہ کمزور و ناتواں اور بے حقیقت ہے جو اپنے والدین کے سایۂ عاطفت

---

(۱) سورۂ قریش/۱-۴۔

میں پلتا بڑھتا اور ان کے قدموں میں گھسٹ گھسٹ کر چلتا ہے، اللہ کی شان تو اس مجازی مربی و مالک سے کہیں بلند و برتر ہے:

﴿ وله المثل الأعلى في السمٰوات والأرض وهو العزيز الحكيم ﴾[1]

''اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان (سب سے) اعلیٰ ہے، اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔''

اس لئے وہ تمام اشیاء جو انسان کی ملکیت سمجھی جاتی ہیں یا جن املاک کو اس نے اپنے جہل و ناواقفیت کی بنا پر خود اپنی طرف منسوب کرلیا ہے، ان سب کی اضافت صرف اسی کی طرف کرنی چاہئے جو ان کا پیدا کرنے والا ہے، اور جس نے انسان کو ان چیزوں پر اختیار صرف محدود مقاصد کے لئے محدود وقت تک اور محدود طریقہ پر بخشا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی حقیقت قرآن مجید نے یہ بتلائی ہے کہ مال و دولت دراصل اللہ کا عطیہ اور اس کی امانت ہے اور حقیقۃً اللہ کی ملکیت ہے، اس لئے اللہ کی چیز اور اللہ کی دی ہوئی دولت کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا انسان کا فریضہ اور اس کی سعادت ہے، قرآن مجید میں عموماً انفاق کی فضیلت کے موقع پر یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

﴿ يأيها الذين آمنوا أنفقوا مما رزقنكم من قبل أن ياتي يوم لا بيع فيه ولا خلة ولا شفاعة ﴾[2]

''اے ایمان والو خرچ کرو (ہماری راہ میں) اس میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے، قبل اس کے کہ آجاوے وہ دن جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی اور نہ سفارش کچھ کام آئے گی۔''

﴿ قل لعبادي الذين آمنوا يقيموا الصلوٰة وينفقوا مما رزقنٰهم سرا وّ علانية مّن قبل أن ياتي يوم لا بيع فيه ولا خلٰل ﴾[3]

---

(۱) سورۂ روم/۲۷۔ (۲) سورۂ بقرہ/۲۵۴۔ (۳) سورۂ ابراہیم/۳۱۔

''اے رسول میرے ایمان والے بندوں سے کہو کہ وہ قائم کریں نماز اور خرچ کریں (ہماری راہ میں) اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خفیہ اور علانیہ، قبل اس کے، آجاوے قیامت کا وہ دن جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی دیاری کچھ کام آئے گی۔''

غلاموں کی مکاتبت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿فکاتبوهم إن علمتم فيهم خيرا و آتوهم من مال الله الذي آتاكم٥﴾ (۱)

''تم ان سے مکاتبت کا معاملہ کرو، اگر تم جانو ان میں بھلائی اور دو ان کو اللہ کے اس مال میں سے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے۔''

اس آیت میں صاف طور پر کہدیا ہے کہ درحقیقت یہ اللہ کا مال ہے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے، اس لئے اللہ کے بندوں کو آزاد کرنے میں تم کو تأمل نہ ہونا چاہئے۔

﴿وابتغ فيما آتاك الله الدار الآخرة ولا تنس نصيبك من الدنيا و أحسن كما أحسن الله إليك ولا تبغ الفساد في الأرض إن الله لا يحب المفسدين٥﴾ (۲)

''اور اللہ نے تجھے جو دولت دے رکھی ہے تو اس میں تلاش کر (یعنی اس کے ذریعہ سے حاصل کر) دار آخرت کا ثواب اور نہ بھول اپنا حصہ لے جانا دنیا سے، اور احسان کر بندگانِ خدا پر جیسے احسان کیا اللہ نے تجھ پر، اور نہ خواہاں بن زمین میں فساد کا، اللہ نہیں چاہتا فسادیوں کو۔''

انسان اس مال و دولت میں مالک حقیقی کا نائب اور اس کا امین ہے، اس لئے مالک حقیقی کے حکم واشارہ سے اس کے خرچ کرنے میں اسے کیا پس وپیش ہوسکتا ہے۔

﴿آمنوا بالله و رسوله و أنفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه، فالذين آمنوا منكم و أنفقوا لهم أجر كبير٥﴾ (۳)

---

(۱) سورۂ نور/۳۳۔ (۲) سورۂ قصص/۷۷۔ (۳)(۱) سورۂ حدید/۷۔

''ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نے جس مال میں تم کو قائم مقام بنایا ہے، اس میں سے خرچ کرو اس کی راہ میں، پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور خرچ کیا راہِ خدا میں ان کے واسطے بڑا اجر ہے۔''

اسی لئے کہا گیا ہے کہ جن لوگوں کی اس حقیقت پر نظر ہوتی ہے ان کو جب کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچتا ہے، تو وہ صبر کرتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم اور ہماری تمام چیزیں اللہ ہی کی ہیں اور ہم کو اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

﴿وبشر الصابرين الذين إذا أصابتهم مصيبة قالوا إنا لله وإنآ إليه راجعون٥﴾ (۱)

''اور خوشخبری دو ان لوگوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہونچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

مال و دولت اور قرآنی تعلیم

انسان کا اپنے مال سے جو تعلق ہے وہ قرآن مجید میں ''کسب'' کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے، یعنی انسان اس مال کا حقیقی مالک نہیں بلکہ کاسِب ہے۔

﴿يايها الذين آمنوا أنفقوا من طيبت ما كسبتم٥﴾ (۲)

''اے ایمان والو! خرچ کرو ہماری راہ میں ان اچھے اموال میں سے جو تم نے کمائے ہیں۔''

پھر اس کسب کے بارہ میں بھی قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ اس میں بھی تمھاری دانش و حکمت اور ہنرمندی و محنت ہی کو دخل نہیں ہے بلکہ خدا کی رہنمائی اور اس کی بخشی ہوئی دانائی اور اس کی کارکشائی ہی نے تم سے یہ کسب کرایا ہے، چنانچہ جن لوگوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ ان کو جو کچھ حاصل ہوا، وہ ان کی ذاتی عقل و دانائی اور ہنروری سے حاصل ہوا

---

(۱) سورۂ بقرہ/۱۵۵-۱۵۶۔ (۲) سورۂ بقرہ/۲۶۷۔

ہے، اس کی تردید کی گئی، قرآن مجید میں قارون کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

﴿قال إنما أوتيته على علم عندي﴾ (۱)

''اس نے کہا کہ جو کچھ مجھے دولت ملی ہے میرے اپنے ہنر سے ملی ہے۔''

اس کا یہ زعم باطل نقل کر کے قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

﴿أولم يعلم أن الله قد أهلك من قبله من القرون من هو أشد منه قوة وّ أكثر جمعا ولا يسئل عن ذنوبهم المجرمون﴾ (۲)

''کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے گزشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر ڈالا تھا جن کی قوت بھی اس سے زیادہ تھی اور جن کا جتھا بھی زیادہ بڑا تھا اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی تحقیق نہیں کی جائے گی۔''

ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے:

﴿فإذا مسّ الإنسان ضرّ دعانا، ثم إذا خوّلناه نعمة منّا، قال إنّما أوتيته على علم بل هي فتنة ولكن أكثرهم لا يعلمون﴾ (۳)

''جب انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کو نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ مجھ کو اپنے علم اور اپنے ہنر سے ملی ہے، (نہیں) بلکہ وہ اس کے لئے آزمائش ہے، لیکن ان میں سے بہت سے جانتے نہیں ہیں۔''

اس کے بعد فرمایا جاتا ہے:

﴿أولم يعلموا أن الله يبسط الرزق لمن يشآء و يقدر، إن في ذلك لآيٰت لقوم يؤمنون﴾ (۴)

''کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے رزق میں وسعت دیتا ہے اور تنگی کر دیتا ہے، اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔''

---

(۱) سورۂ قصص/۷۸۔ (۲) سورۂ قصص/۷۸۔ (۳) سورۂ زمر/۴۹۔ (۴) سورۂ زمر/۵۲۔

لیکن اس کے باوجود قرآن پاک انسان کے کسب حلال، اس کے شرعی توارث اور انتقالِ ملکیت کے جائز طریقوں کو تسلیم کرتا ہے اور اس بنا پر وہ انسان کی ملکیت کو صحیح سمجھتا ہے اور کبھی کبھی اموال کی نسبت انسان سے اس طرح کرتا ہے جس طرح ملکیت کی نسبت ہوتی ہے۔

﴿ولا تؤتوا السفهآء اموالكم التي جعل الله لكم قيامًا﴾ (۱)

''اور کم عقلوں اور بے سمجھوں کو اپنے وہ مال نہ دیدو جن کو اللہ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنایا ہے۔''

لیکن قرآن مجید انسان کو ایسا مستقل اور دائمی یتیم اور سفیہ (ناسمجھ اور بدسلیقہ) تصور نہیں کرتا جس کی ملکیت و دولت مستقل طور پر کسی دوسرے کے انتظام و تولیت میں ہو اور اس کو اپنی اس ملکیت اور مال میں کسی قسم کا حق تصرف حاصل نہ ہو، اس کے نزدیک انسان کے لئے مرتبۂ کمال اور شرفِ انسانیت اور عقل کے شایانِ شان یہ ہے کہ انسان آزاد اور بااختیار رہو، وہ اپنے مال میں جائز تصرف کر سکے، چنانچہ فرمایا ہے:

﴿ضرب اللّٰه مثلا عبدا مملوكا لا يقدر على شئي ومن رزقناهُ منا رزقا حسنا فهو ينفق منه سرًا وّ جهرا ٥﴾ (۲)

''بیان کی اللہ نے مثال ایسے غلام کی جو دوسرے کا مملوک ہے اور کسی چیز پر اس کا اختیار نہیں اور ایک وہ بندہ ہے جس کو ہم نے عطا کی اچھی روزی، پس وہ اس میں سے خفیہ اور علانیہ (جیسے چاہتا ہے) خرچ کرتا ہے۔''

ایک طرف نہ وہ انسان کو اتنا بے دست و پا، مسلوب الاختیار سمجھتا ہے کہ اس سے ایک بے جان مشین اور بے عقل جانور کی طرح محنت لی جائے اور دولت و سامان پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جائے لیکن اس کو دولت و سامان کے استعمال کرنے کی صحیح آزادی بھی نہ دی جائے، اس لئے کہ یہ اس کے مرتبۂ انسانیت سے فروتر ہے اور انسان کا

---

(۱) سورۂ نساء/۵۔ (۲) سورۂ نحل/۷۵۔

جماداتی تصور ہے، اس سے کسب معیشت کے محرکات نفسی مفقود ہو جاتے ہیں اور کسب معیشت کا وہ جائز و معتدل جذبۂ مسابقت، فطری جوش و نشاط اور زندگی کا تنوع، جو تمدن کے لئے ضروری ہے، مردہ ہو جاتا ہے، دوسری طرف وہ انسان کو اپنے ان اموال واملاک میں تصرف کرنے اور ان کے استعمال اور ان کے انتفاع میں بالکل آزاد، بے مہار بھی نہیں چھوڑتا، اس کے لئے اس نے جو وسیع انتظامات کئے ہیں ان کی نوعیت یہ ہے:

۱- سب سے پہلے اس نے یہ اعتقاد پیدا کیا کہ انسان مال و دولت کا حقیقی مالک نہیں ہے، مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، اس کے فضل و توفیق سے یہ مال وملکیت اس کو نصیب ہوئی ہے، وہ اس کا امین ہے، لہٰذا اس کے صرف واستعمال میں اس کی مقرر کی ہوئی حدوں کا اس کو پابند رہنا چاہئے:

﴿ثم جعلناكم خلئف في الأرض من بعدهم لننظر كيف تعملون﴾[1]

''پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو''

۲- یہ یقین پیدا کیا کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہے جس میں اس کو اس زندگی کے تمام مال و دولت کا حساب اس کے مالک حقیقی کے سامنے دینا ہوگا اور دیکھا جائے گا کہ اس نے اس کی خلافت و نیابت اور امانت کا کیسا حق ادا کیا، (قرآن مجید کا یہ خاص مضمون ہے اور صدہا آیات میں، بہت ہی مؤثر اور دل نشیں طریقہ پر اس یقین کے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے)۔

۳- اس نے بہت ہی قوت کے ساتھ اس عقیدہ اور ذہنیت کو پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا دار العیش نہیں ہے، دار الامتحان ہے، یہاں کا مال و دولت اور سامانِ

---

(۱) سورہ یونس/۱۴۔

آرائش وراحت سب آزمائش کے لئے ہے، یہ زندگی ایک مختصر یا طویل فرصتِ عیش نہیں ہے، بلکہ فرصتِ عمل ہے، یہ مال و دولت اس لئے نہیں ہے کہ اس سے عیش وعشرت کے اسباب اور لہو ولعب کا سامان پیدا کیا جائے بلکہ یہ آخرت کی جنس ثواب اور رضائے الٰہی کے لئے دنیا کا سکہ ہے، یہ زندگی لذت و تمتع کا اصل مقام نہیں ہے، اس کا اصل مقام اس زندگی کے بعد کی جنت ہے۔

﴿إنا جعلنا ما على الأرض زينة لها لنبلوهم أيهم أحسن عملاً﴾[1]

''ہم نے اس زمین کے اوپر کی چیزوں کو اس کے واسطے زینت ورونق کا سامان بنایا ہے تا کہ ہم ان کی آزمائش کریں کہ کون ان میں سے اچھے عمل کرتا ہے۔''

﴿هو الذي خلق الموت و الحيوٰة ليبلوكم أيكم أحسن عملاً﴾[2]

''وہی ہے جس نے بنایا موت وحیات کا نظام تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں اچھے اعمال کرتا ہے۔''

﴿ولا تمدّنّ عينيك إلى ما متّعنا به أزواجا منهم زهرة الحيوٰة الدنيا لنفتنهم فيه و رزق ربك خير و أبقى﴾[3]

''اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا) بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے۔''

ان منکرین کو خطاب ہوگا جنھوں نے دنیا کی زندگی کو اصل سمجھ کر یہاں جی کھول کر داد عیش دی اور سارے شوق یہیں پورے کر لئے اور آخرت کے لئے کچھ نہ کیا، ان سے کہا جائے گا۔

﴿أذهبتم طيبا تكم في حيٰو تكم الدنيا واستمتعتم بها، فاليوم تجزون

---

(۱) سورۂ کہف/۷۔ (۲) سورۂ ملک/۲۔ (۳) سورۂ طٰہٰ/۱۳۱۔

عذاب الهون﴾ [1]

"تم اپنی لذت کی چیزیں دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خود برت چکے (حتی کہ ہم کو بھی بھول گئے) سو آج تم کو ذلت کی سزا دیجائیگی۔"

۴۔ اس نے یہ بھی ضروری قرار دیا کہ دولت جائز، پاک اور غیر ظالمانہ طریقوں سے پیدا کی جائے، اس کے لئے کسب پر کچھ قانونی اور اخلاقی پابندیاں عائد کیں، انسان کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ دھوکہ، چوری، قمار بازی، سنگدلی اور شقاوت سے مال پیدا کرے، خیانت، غصب، فریب دہی، غش و غرر، سٹہ بازی جیسے تمام ذرائع کو حرام قرار دیدیا گیا اور یہی وہ ابواب ہیں جن سے دولت کی بڑی مقدار دفعۃً بغیر کسی محنت اور جائز مبادلہ کے ہاتھ آجاتی ہے۔

﴿یایها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم ولا تقتلوا أنفسکم إن اللہ کان بکم رحیما﴾ [2]

"اے ایمان والو! مت کھاؤ ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے، مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی رضامندی سے، اور نہ قتل کرو اپنے نفوس کو، اللہ تمہارے ساتھ بڑا رحیم ہے۔"

۵۔ تجارت کو جائز اور پسندیدہ قرار دیا اور سود کو مطلقاً حرام قرار دیا۔

﴿أحلّ اللہ البیع وحرّم الربٰو﴾ [3]

"اللہ نے حلال کی خرید و فروخت اور حرام کر دیا سود کو۔"

اس لئے کہ سود سے جماعت کی دولت چند افراد کے پاس مجتمع ہو جاتی ہے، جماعت بحیثیت اجتماعی مفلوک الحال اور پریشان ہوتی ہے اور افراد بحیثیت افراد (خواہ وہ اپنی جماعتیں، کمپنیاں اور ادارے بنالیں) قارون بن جاتے ہیں، سرمایہ داروں اور دولت مندوں کی تھوڑی سی دولت جس سے وہ سود کا کاروبار شروع کر دیتے ہیں، ساری جماعت

---

(۱) سورۂ احقاف/۲۰۔ (۲) سورۂ نساء/۲۹۔ (۳) سورۂ بقرہ/۲۷۵۔

اور سارے شہر یا ملک کی انفرادی دولتوں کو اس طرح کھینچ لیتی ہے جس طرح الف لیلہ کا کوہِ مقناطیس جہازوں اور کشتیوں کے جوڑ بند اور کیلوں کو کھینچ کر ان کے تختوں اور مسافروں کو ڈوبنے کے لئے چھوڑ دیا کرتا تھا، وہ ان کے وسائلِ معاش اور ان کے وقت اور قوت پر قبضہ کرتے ہیں اور بلا کسی محنت اور صحیح مبادلہ کے روپیہ سے روپیہ پیدا کرتے رہتے ہیں اور اس طرح ان کا روپیہ پھرنے اور پھیلنے کے بجائے ایک جگہ پھولتا رہتا ہے۔

۶- اپنے مال میں، خواہ وہ کسی قدر بھی کثیر المقدار ہو، فضول خرچی ممنوع کردی گئی، فرمایا:

﴿ كلوا واشربوا ولا تسرفوآ إنه لا يحب المسرفين ﴾(۱)

"کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو، اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

﴿وات ذاالقربىٰ حقه والمسكين وابن السبيل ولا تبذر تبذيراه إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين وكان الشيطن لربه كفوراه ﴾(۲)

"اور اپنے قرابتداروں کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو جو دینا چاہیئے وہ دو اور فضول خرچی بالکل نہ کرو، بلاشبہ فضول خرچ لوگ شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔"

﴿ والذين إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواماه ﴾(۳)

"(اور اللہ کے اچھے بندے وہ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ) جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ بخل و تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ اس افراط و تفریط کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔"

﴿لا تجعل يدك مغلولة إلى عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوماً محسوراً ﴾(۴)

---

(۱) سورۂ اعراف/۳۱۔ (۲) سورۂ اسراء/۲۶-۲۷۔ (۳) سورۂ فرقان/۶۷۔ (۴) سورۂ اسراء/۲۹۔

"اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہئے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہئے ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔"

۷۔ کچھ چیزیں اس کے لئے مستقل طور پر حرام کردی گئی ہیں اور یہ عموماً وہ چیزیں ہیں جو بالعموم اسراف کے بغیر ممکن نہیں اور جن سے طبعی اور لازمی طور پر دوسروں کی حق تلفی، غفلت، ظلم وقساوت اور جماعت ومعاشرہ میں بدنظمی وابتری اور جرائم کا نشوونما ہوتا ہے، مثلاً شراب اور عام مسکرات، قمار، زنا اور فسق وفجور کی تمام قسمیں، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا اور خاص مردوں کے لئے ریشمی لباس اور ہر طرح کے زیورات، مصوری اور بت تراشی، سو یہ تمام چیزیں حرام قرار دیدی گئی ہیں، بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا، مثلاً موسیقی، کھانے اور لباس میں بہت زیادہ تکلف اور تنوع، غیر ضروری تعمیرات کا شوق اور اس میں مقابلہ اور مسابقت، بہت زیادہ تنعم اور راحت کی زندگی، اس طرح سے مال ودولت کا ایک بڑا حصہ غیر ضروری اور بالعموم مضر مصارف اور شخصی وعارضی اور بے نتیجہ تفریحات اور لذتوں میں صرف ہونے سے محفوظ رکھا ہے اور اجتماعی مفاد ومصالح یا شخصی ضروریات کے کام آسکتا ہے، اگر ان تفریحات اور شوق کی چیزوں میں ظاہری اور قانونی طور پر کسی کا حق غصب نہ کیا جائے اور کسی ظلم وجور اور خیانت وبددیانتی سے وہ روپیہ حاصل نہ کیا جائے جو ان مشاغل کی تکمیل کے لئے ضروری ہے تو بھی ان تفریحات ومشاغل کی انجام وہی، حق تلفی، جماعتی مفاد کے ضیاع اور سنگ دلی وبے دردی سے خالی نہیں، اس لئے کہ مال ودولت میں ہر انسان کا حصہ بقدر ایک فرد کے ہے اور ایک فرد کے حصہ میں (خصوصاً جب کہ دوسرے افراد کو پیٹ بھرنے کے لئے روٹی اور تن ڈھکنے کے لئے کپڑا بھی میسر نہ ہو) یہ گنجائش نہیں کہ اس سے اپنی ذاتی تفریحات اور لذتوں کا سامان کیا جائے اور اس طرح درحقیقت ہر غیر ضروری تفریح میں اور ہر اسراف کے اندر وسیع معنی میں کوئی نہ کوئی حق تلفی ضروری ہوتی ہے، کسی عرب حکیم کا مقولہ ہے:

(ما رأيت من تبذير إلا وفي جنبه حق مضيع)

"میں نے کوئی فضول خرچی ایسی نہیں دیکھی جس کے ساتھ کوئی حق تلفی نہ ہو۔"

قرآن مجید نے نہایت لطیف اور حکیمانہ طریقہ پر جہاں رشتہ دار، مساکین اور مسافر کو ان کا حق دینے کی تلقین کی ہے، وہیں ساتھ ہی فضول خرچی سے منع کیا ہے، اس لئے کہ دونوں چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، کیونکہ جو شخص اپنے اوپر یا اپنے اہل وعیال پر غیر ضروری مصارف کریگا وہ دوسرے مستحقین پر ضروری مصارف کرنے سے عاجز رہے گا۔

﴿وآت ذاالقربىٰ حقه والمسكين و ابن السبيل ولا تبذر تبذيرا ہ إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين ط وكان الشيطن لربه كفوراً ہ﴾ (۱)

"اور قرابت دار کا حق ادا کرتے رہو اور مساکین اور مسافروں کو دیتے رہو اور فضول نہ اڑاؤ، فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔"

۸- روپیہ جمع کرنے اور اس میں سے خدا کے راستہ میں کچھ خرچ نہ کرنے پر سخت وعید ہے۔

﴿والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله فبشّرهم بعذاب أليم ہ﴾ (۲)

"اور جو لوگ سینت سینت کے رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور ان کو خرچ نہیں کرتے ہیں اللہ کی راہ میں، اے رسول! آپ ان کو بشارت دیدیجئے دردناک عذاب کی۔"

پس قرآن مجید، روپیہ کو گاڑ گاڑ کر رکھنے اور جمع کرنے کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا اور قرآن واحادیث کے تتبع اور آنحضرت ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ جمع کرنا اسلام میں دوسرے درجہ کا کام ہے، جس کے لئے صرف اجازت ہی نکل سکتی ہے اور یہ بھی اس شرط پر کہ اس کے حقوق (زکوۃ وغیرہ) ادا کئے جاتے رہیں۔

---

(۱) سورۂ اسراء/۲۶-۲۷۔ (۲) سورۂ توبہ/۳۴۔

۹- انفاق فی سبیل اللہ، غمخواری ومواساتِ، ایثار وہمدردی کی بکثرت وشدت ترغیب دی گئی ہے۔

﴿یأیها الذین آمنوا أنفقوا من طیبٰت ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض ۰﴾(۱)

''اے ایمان والو! نیک کاموں میں خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور عمدہ چیز کو اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا۔''

﴿مثل الذین ینفقون أموالهم في سبیل اللّٰه کمثل حبة، أنبتت سبع سنابل، في کل سنبلة مائة حبة واللّٰه یضٰعف لمن یشآء، واللّٰه واسع علیم ۰﴾(۲)

''جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ، جس سے (فرض کرو) سات بالیں جمیں اور ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہے یہ افزونی کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑا وسعت والا اور سب جاننے والا ہے۔''

﴿الذین ینفقون أموالهم باللیل و النهار سرا وعلانیة فلهم أجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون ۰﴾(۳)

''جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ خدا میں، دن میں اور رات میں، پوشیدہ اور آشکارا، پس ان لوگوں کو اجر ملے گا ان کے رب کے پاس جا کر، اور نہ ان پر کوئی خطرہ واقع ہونے والا ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔''

﴿ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و أسیرا ۰ إنما نطعمکم لوجه اللّٰه لا نرید منکم جزآء ولا شکورا ۰﴾(۴)

---

(۱) سورۂ بقرہ/۲۶۷۔ (۲) سورۂ بقرہ/۲۶۱۔ (۳) سورۂ بقرہ/۲۷۴۔ (۴) سورۂ دہر/۸-۹۔

''اور وہ کھلاتے ہیں کھانا محض اللہ کی محبت سے مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو، (اور دل وزبان سے کہتے ہیں کہ) ہم تم کو محض لوجہ اللہ کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے اس کا کوئی بدلہ اور کوئی شکریہ نہیں چاہتے۔''

﴿ویؤثرون علیٰ أنفسهم ولو کان بهم خصاصة ﴾[1]

''اور وہ مقدم رکھتے ہیں (دوسرے اہل حاجت کو) اپنے اوپر، اگرچہ خود ان کو فاقہ ہو۔''

۱۰- یہ تصور پیدا کیا کہ ہر فرد کی ملکیت سے جماعت کے کچھ حقوق اور منافع متعلق ہیں، اس لئے نتیجۃً ہر انفرادی ملکیت، اجتماعی ملکیت ہے، اس کے ضائع ہونے سے جماعت کی حق تلفی ہوتی ہے، پس ہر وہ پیسہ جو ایک فرد بے محل صرف کرتا ہے یا ضائع کرتا ہے وہ جماعت کے بہت سے منافع اور بہت سے اجتماعی فوائد کو ضائع کرتا ہے اور جماعتی ملکیت میں ناجائز تصرف کرتا ہے۔

﴿ولا تؤتوا السفهآء أموالکم التي جعل الله لکم قیاماً﴾[2]

''اور مت دو کم عقلوں اور بے سمجھوں کو اپنے وہ اموال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری دنیوی زندگی کا سہارا بنایا ہے۔''

یہاں پر ناسمجھ یتیموں اور بے سلیقہ جوانوں کے ذاتی اموال واملاک کو جو ان کو ترکہ میں ملی ہوں، جماعت کا مال قرار دیا ہے اور اس کو جماعت کی زندگی اور معیشت کا دارومدار بتایا گیا ہے اور اسی بنا پر ان کے حوالے کرنے سے منع کیا گیا ہے، اگرچہ وہ ان کی ذاتی ملکیت ہے۔

۱۱- آخر میں قانونِ وراثت کے ذریعہ ہر چھوٹی سے چھوٹی دولت اور ہر معمولی سے معمولی ملکیت کو بھی بہت سے لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص جو رقم، اثاثہ اور املاک چھوڑ کر مرے، وہ اس کے وارثوں میں حصہ رسد تقسیم ہو جاتا ہے، اس طرح یہ ناممکن ہے کہ کوئی دولت اور ملکیت اپنی اصلی حالت پر ایک نسل سے زیادہ

---

(۱) سورۂ حشر/۹۔ (۲) سورۂ نساء/۵۔

قائم رہے، البتہ جو مالیت یا املاک، عام اسلامی مصالح، رفاہِ عام یا کسی اور کارِ خیر کے لئے وقف کر دیئے جائیں، وہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہیں گے، اس سے وقف کرنے والے اور اس کے ورثاء کے حقوق منقطع ہو جائیں گے، اس کا ہبہ کرنا اور بیع کرنا ناجائز ہوگا۔

﴿ولكل جعلنا موالي مما ترك الوالدٰن والأقربون﴾ (۱)

''اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ جائیں، ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔''

﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (۲)

''اللہ حکم کرتا ہے تم کو تمہاری اولاد کے بارہ میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہو۔''

مالِ غنیمت بھی مسلمانوں میں تقسیم ہوگا، اس کی تقسیم اس طرح ہوگی۔

﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول ولذي القربىٰ واليتمىٰ والمساكين وابن السبيل﴾ (۳)

''اور جاننا چاہئے کہ جو مالِ غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس میں کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور قرابتداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔''

البتہ وہ زمین اور غیر منقولہ جائداد، جو اسلامی فتوحات میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے، اس کی حیثیت وقف کی ہوگی، سورۂ حشر میں ہے:

﴿وما أفآء الله على رسوله منهم فمآ أوجفتم عليه من خيل ولا ركاب، ولكن الله يسلط رسله على من يشآء والله على كل شيء قدير ٥ ما أفآء الله على رسوله من أهل القرىٰ فلله وللرسول ولذي القربىٰ واليتمىٰ والمسٰكين وابن السبيل كيلا يكون دولة بين الأغنيآء منكم، وما آتٰكم الرسول فخذوه وما نهٰكم عنه فانتهوا، واتقوا الله

(۱) سورۂ نساء/۳۳۔ (۲) سورۂ نساء/۱۱۔ (۳) سورۂ انفال/۴۱۔

إن اللّٰہ شدید العقاب ○ للفقرآء المھاجرین الذین أخرجوا من دیارھم و أموالھم یبتغون فضلاً من اللّٰہ و رضواناً وینصرون اللّٰہ و رسولہ أولئك ھم الصادقون ○ والذین تبوؤا الدار والإیمان من قبلھم یحبون من ھاجر إلیھم ولا یجدون في صدورھم حاجۃً مما أوتوا و یؤثرون علی أنفسھم ولو کان بھم خصاصۃٌ ط ومن یوق شح نفسہ أولئك ھم المفلحون ○ والذین جاء وا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذین سبقونا بالإیمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذین آمنوا، ربّنا إنّك رؤف رحیم ○ ﴾ (۱)

''اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا سو تم کو اس میں کوئی مشقت نہیں پڑی، تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلط فرمادیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے، جو کچھ اللہ نے اس طور پر اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے لوگوں سے دلوایا ہے، سو وہ بھی اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور آپ کے قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا اور یہ حکم اس لئے مقرر کیا تاکہ سارا مال تمہارے مالداروں ہی کے قبضہ میں نہ آجائے، اور رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں اس کے لینے سے تم رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے' اور ان حاجت مند مہاجرین کا زیادہ خصوصی حق ہے، جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جبراً اور ظلماً جدا کردئے گئے اور ہجرت سے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے دین کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ ایمان کے سچے

---

(۱) سورۃ حشر/۶-۱۰۔

ہیں، اور نیز ان لوگوں کا بھی حق ہے جو دارالاسلام (یعنی مدینہ میں ان مہاجرین) کے آنے سے قبل کے قرار پکڑے ہوئے ہیں، جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے، اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے، اس سے یہ انصار اپنے دلوں میں کوئی شک نہیں پاتے اور بلکہ کھلانے پلانے میں ان کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ ان پر فاقہ ہو اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اور ان لوگوں کا بھی اس مال میں حق ہے جو ان کے بعد آئے اور جو ان مذکورین کے حق میں اس طرح دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے۔"

چنانچہ اس آیت کی بنا پر حضرت عمرؓ نے عراق کی زمین کو اس وقت کے مسلمانوں پر (اصحاب غنیمت پر) تقسیم کرنے سے عذر کیا اور کہا کہ یہ مسلمانوں کا مشترکہ مال ہے جس میں نہ صرف اس وقت ہی کے مسلمانوں کا حصہ ہے بلکہ بعد میں آنے والوں کا بھی حق ہے، اگر میں اس کو فوج اور موجودہ "مستحقین" ہی پر تقسیم کر دوں تو اس نسل کے بعد جو مسلمان آئیں گے ان کو کیا ملے گا، صحابہ کرام نے ان کی اس رائے سے اتفاق کیا اور اسی پر عمل ہوا۔[1]

۱۲- افراد کی دولت اور ان کے سرمایہ کو جماعت کے لئے نفع بخش بنانے کی سب سے آخری اور حتمی تدبیر یہ کی کہ ہر شخص جس کے پاس اس کے ضروری مصارف سے زائد دو سو درم (۵۲½ روپیہ) جمع ہو جائیں، ایک سال اس پر گزر جانے پر اس میں سے چالیسواں حصہ (۲½ فیصدی) راہ خدا میں نکالے، نیز غلہ، پیداوار اور جانوروں سے بھی زکوۃ کا حصہ ادا کرے، اس کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں "زکوۃ"[2] اور "صدقات" ہے۔

---

(۱) احکام القرآن للجصاص الرازی ج-۳، ص/۵۳۰۔ (۲) زکوۃ کے شرائط وجوب اور تفصیلی مسائل حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

یہ زکوٰۃ اسلامی نظام کی نہایت اہم دفعہ ہے بلکہ اسلام کا تیسرا رکن ہے، قرآن مجید نے اس کے متعلق جو اصول بتلائے ہیں اور اس کی حکمتوں کی طرف جو اشارات کئے ہیں، وہ اب ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

□□□

زکوٰۃ ایک ایمانی طاقت

سرمایہ کے متعلق قرآن مجید نے جو خاص احکام دیئے ہیں، ان میں ادائیگی زکوٰۃ کا حکم سب سے اہم ہے، یہ اسلام کا تیسرا رکن ہے، آج کی صحبت میں اسی کے متعلق قرآن مجید کے نقطۂ نظر کی ہم کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

﴿هو الذي بعث في الأميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة و إن كانوا من قبل لفي ضلل مبين﴾ (۱)

"وہی اللہ ہے جس نے کھڑا کیا اَن پڑھوں کی قوم میں ایک رسول انہی میں سے، وہ پڑھتا ہے ان کے سامنے اللہ کی آیات اور پاک صاف کرتا ہے ان کو اور ان کو سکھاتا ہے کتاب اور حکمت کی باتیں اور بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔"

﴿ولولا فضل الله عليكم و رحمته، ما زكىٰ منكم من أحد أبدا و لكن الله يزكّي من يشاء﴾ (۲)

"اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر، تو پاک نہ ہوتا تم میں سے کوئی بھی، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک صاف کر دیتا ہے۔"

﴿قد أفلح من زكّٰها﴾ (۳)

"بہ تحقیق کامیاب ہے وہ جس نے اپنے نفس کو پاک صاف کیا۔"

---

(۱) سورۂ جمعہ/۲۔ (۲) سورۂ نور/۲۱۔ (۳) سورۂ شمس/۹۔

﴿قد أفلح من تزكّى﴾(۱)

''بیشک وہ فلاح یاب ہے جس نے پاکیزگی اختیار کرلی۔''

پس زکوٰۃ کو اسی واسطے زکوٰۃ کہا جاتا ہے کہ گویا اس کے ذریعہ نفس اور مال کی طہارت ہوتی ہے، مال کی محبت اور بخل، قلب کا ایک ایسا مرض ہے جو اندر ہی اندر دل پر چھا جاتا ہے اور اس پر قبضہ کرلیتا ہے کہ انسان پھر کسی دوسرے اعلیٰ مقصد کا طالب نہیں رہ سکتا اور اس کے لئے قربانی نہیں کرسکتا، اسی لئے فرمایا:

﴿إن الإنسان لربه لكنود ٥ وإنه على ذلك لشهيد ٥ و إنه لحب الخير لشديد ٥﴾(۲)

''یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور اس حقیقت پر وہ خود گواہ ہے اور مال کی محبت میں (اور اس کے حاصل کرنے میں) وہ بڑا ہی سخت جان ہے۔''

اس ایک نفسانی مرض سے ہزاروں اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں، شریفانہ خصائل، عالی حوصلگی، کریم النفسی، ایثار، قربانی، سلوک و ہمدردی اور انسانیت کے اعلیٰ خصائص فنا ہوجاتے ہیں اور رذالت، تنگ دلی، تنگ ظرفی، خودغرضی، سنگ دلی و بے رحمی اور بزدلی و کمزوری پیدا ہوجاتی ہے اور یہ کیفیات، تمام روحانی ترقیات اور ہر قسم کی خیر و برکات کے لئے حجاب ہیں، اسی لئے فرمایا:

﴿ومن يوق شحّ نفسه فأولئك هم المفلحون ٥﴾(۳)

''اور جو لوگ اپنے نفس کی حرص اور بخل سے محفوظ رہیں وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

زر پرستوں کی سیرت و اخلاق کو قرآن مجید نے جابجا بیان کیا ہے:

﴿ويل لكل همزة لمزة ٥ الذي جمع مالا و عدده ٥ يحسب أن ماله أخلده ٥﴾(۴)

---

(۱) سورۂ اعلیٰ/۱۴۔ (۲) سورۂ عادیات/۶-۸۔ (۳) سورۂ حشر/۹۔ (۴) سورۂ ہمزہ/۱-۳۔

''خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے، عیب چننے والے کی، جس نے جوڑا مال اور گن گن کر رکھا، وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال سدا اس کے ساتھ رہے گا۔''

﴿ولا تطع كل حلّاف مهين ہ همّاز مشّاء بنميم ہ منّاع للخير معتد أثيم ہ عتلّ بعد ذلك زنيم ہ أن كان ذا مال وّ بنين ہ﴾(۱)

''اور بات نہ مانو کسی زیادہ قسمیں کھانے والے، بے وقار آدمی کی، جو طعنے دیتا، چغلیاں لگاتا پھرتا ہے، اچھے کاموں سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا اور عادی گنہگار ہے، اجڈ ہے اور اس سے پیچھے بدنام ہے (اور یہ بری عادتیں اس میں اس واسطے ہیں) کہ وہ مال واولاد والا ہے۔''

﴿ذرني ومن خلقت وحيداه وجعلت له مالاً ممدوداه وبنين شهوداه ومهّدت له تمهيداه ثم يطمع أن أزيده﴾(۲)

''مجھے چھوڑ دو اور اس کو جس کو میں نے پیدا کیا اکیلا، اور دیا اس کو مال پھیلا ہوا اور بیٹے ساتھ رہنے والے، تیار کر دیا اس کو خوب تیار، پھر وہ لالچ رکھتا ہے کہ میں اس کو اور دوں۔''

اسی طرح وہ مال جو ضروریات پوری ہونے کے بعد بھی بچ رہا ہے اور ضرورت سے فاضل ہے، وہ قرآن مجید کی نظر میں ایسا مال ہے جس کو پاک کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا ایک حصہ اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر صرف کیا جائے، اس سے نفس و مال دونوں کی پاکی اور طہارت ہو جائے گی، اسی لئے فرمایا:

﴿خذ من أموالهم صدقة تطهّرهم و تزكّيهم بهاه﴾(۳)

''وصول کیجئے آپ ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ، جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک وصاف کریں اور ان کا تزکیہ ہو۔''

راہ خدا میں خرچ کرنے والے کے لئے فرمایا:

﴿وسيجنّبها الأتقىٰه الذي يؤتي ماله يتزكّىٰه﴾(۴)

---

(۱) سورۂ قلم/۱۰-۱۴۔ (۲) سورۂ مدثر/۱۱-۱۵۔ (۳) سورۂ توبہ/۱۰۳۔ (۴) سورۂ لیل/۱۷-۱۸۔

''اور بچایا جاوے گا اس (دوزخ کی آگ) سے وہ زیادہ ڈرنے والا جو اپنا مال اس واسطے راہِ خدا میں دیتا ہے کہ اس کا دل پاک ہو''

نفس کی یہی وہ تربیت ہے جس کے متعلق فرمایا:

﴿الذین ینفقون أموالھم ابتغاء مرضات اللّٰہ و تثبیتا من أنفسھم﴾[1]

''جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ خدا میں، اللہ کی رضا جوئی کے واسطے اور اپنے دلوں کو ٹھیک کرنے کے لئے۔''

یہ زکوٰۃ اور نماز نفس کا ایک ایسا مجاہدہ و ریاضت، ایک ایسی اصلاح و تربیت اور روح و قلب کی ایک ایسی اندرونی طاقت ہے جس کے حصول کے بغیر کسی قسم کے جانی و مالی جہاد و قربانی کی توقع بیکار ہے اور اس کا حکم قبل از وقت ہے، اسی لئے جہاد کے فرض ہونے سے پہلے اس کی تعلیم دی گئی اور اس کی تاکید کی گئی کہ یہ سفرِ جہاد کی پہلی اور ضروری منزل ہے اور جو اس منزل سے نہیں گزرا، وہ آگے کی منزل کی ہمت نہیں رکھتا،[2] یہودیوں کی سازشوں اور شرارتوں پر مدینہ کی ابتدائی زندگی میں مسلمان مشتعل ہوتے تھے اور جہاد کی اجازت طلب کرتے تھے، ان کو کچھ دنوں کے لئے صبر و ضبط کی ہدایت کی گئی اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کی تاکید کی گئی:

﴿ودّ کثیر من أھل الکتاب لو یردّو نکم من بعد إیمانکم کفارا، حسداً من عند أنفسھم من بعد ما تبیّن لھم الحق، فاعفوا و اصفحوا حتّی یأتی اللّٰہ بأمرہ، إن اللّٰہ علی کل شیئٍ قدیر• و أقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ وما تقدّموا لأنفسکم من خیر تجدوہ عند اللّٰہ، إن اللّٰہ

---

(۱) سورۂ بقرہ/۲۶۵۔ (۲) اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاد کی منزل شروع ہونے کے بعد یہ فرائض ساقط ہو جاتے ہیں یا یہ فرائض محض تربیت اور مشق جہاد کے لئے ہیں، مقصود صرف یہ ہے کہ یہ فرائض اپنے مقصود بالذات ہونے کے علاوہ جہاد و قربانی کے لئے بھی تیار کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ خدا سے ایسا تعلق اور ایسی روحانی طاقت پیدا ہوتی ہے جو راہ خدا میں شدائد کی برداشت اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا کرتی ہے، اگر کوئی شخص ان فرائض کا پابند نہیں تو اس کے بلند و بانگ دعوے محض فریب نفس ہیں۔

بما تعملون بصیرہ﴾(۱)

''دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ تمہارے ایمان کے بعد تم کو دین سے پھیر دیں، محض اپنے دلوں کے حسد کی وجہ سے، بعد اس کے کہ کھل گیا ان کے واسطے حق، سو تم درگزر کرو اور خیال نہ لاؤ یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم، اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور قائم کرو نماز اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ اور تم اپنے واسطے جو نیکی بھی یہاں کرلو گے تم اس کو اللہ کے ہاں ضرور پالو گے، یقیناً اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔''

اسی زمانہ کے متعلق کہا گیا:

﴿ألم تر إلى الذين قيل لهم كفوا أيديكم و أقيموا الصلوٰة و آتوا الزكوٰة ٥﴾(۲)

''کیا تم نے نہیں دیکھا، ان لوگوں کو جن سے کہا گیا کہ روکے رکھو اپنے ہاتھ اور قائم کرتے رہو نماز اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ۔''

یہ زکوٰۃ پچھلی امتوں اور دوسرے پیغمبروں کی شریعتوں میں فرض تھی بنی اسرائیل کو خطاب ہے۔

﴿و أقيموا الصلوٰة و آتوا الزكوٰة و اركعوا مع الراكعين ٥﴾(۳)

''اور قائم کرو نماز اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ، اور جھکو ساتھ جھکنے والوں کے۔''

ان سے جن باتوں کا عہد لیا گیا ان میں سے زکوٰۃ بھی ہے۔

﴿و إذ أخذنا ميثاق بني إسرائيل لا تعبدون إلا الله و بالوالدين إحسانا وذي القربىٰ و اليتمىٰ والمسٰكين و قولوا للناس حسنا وّ أقيموا الصلوٰة واتوا الزكوٰة ثم توليتم إلا قليلا منكم و أنتم معرضون ٥﴾(۴)

''اور جب ہم نے اقرار لیا بنی اسرائیل کا کہ بندگی کریو مگر اللہ کی اور ماں باپ کے ساتھ

---

(۱) سورۂ بقرہ/۱۰۹-۱۱۰۔ (۲) سورۂ نساء/۷۷۔ (۳) سورۂ بقرہ/۴۳ (۴) سورۂ بقرہ/۸۳۔

اچھا سلوک اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور کہنا لوگوں سے اچھی بات اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوۃ، پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں سے اور تم بے پروائی کرتے ہو۔"

اسی بناء پر ان سے نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا:

﴿وقال الله إني معكم لئن أقمتم الصلوٰة وأتيتم الزكوٰة ٥﴾ (۱)

"اور کہا (ان سے) اللہ نے میں تمھارے ساتھ ہوں اگر قائم کرتے رہے تم نماز اور ادا کرتے رہے زکوۃ۔"

بنی اسرائیل میں سے "راسخین فی العلم" کے جس گروہ کو مستثنیٰ کیا گیا اس کے عمل سے زکوۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔

﴿لٰكن الراسخون في العلم منهم و المؤ منون يومنون بمآ أنزل إليك ومآ أنزل من قبلك والمقيمين الصلوٰة والمؤتون الزكوٰة ٥﴾ (۲)

"لیکن ان میں سے جو راسخین فی العلم ہیں اور ایمان والے ہیں وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا تم پر اور جو نازل کیا گیا تم سے پہلے اور نماز قائم کرنے والے اور زکوۃ ادا کرنے والے۔"

حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے اور پوتے کے متعلق فرمایا۔

﴿وجعلناهم أئمة يهدون بأمرنا و أوحينآ إليهم فعل الخيرات و إقام الصلوٰة و إيتآء الزكوٰة و كانوا لنا عابدين ٥﴾ (۳)

"اور ہم نے بنایا ان کو پیشوا، رہنمائی کرتے ہیں وہ ہمارے حکم سے اور وحی سے ہم نے انہیں حکم دیا نیکیاں کرنے کا اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کا اور وہ ہماری ہی بندگی اور عبادت کرتے تھے۔"

---

(۱) سورۂ مائدہ/۱۲۔ (۲) سورۂ نساء/۱۶۲۔ (۳) سورۂ انبیاء/۷۳

اور حضرت اسمٰعیلؑ کے تذکرہ میں فرمایا:

﴿و کان یامر أهله بالصلوٰة و الزکوٰة و کان عند ربه مرضیاً﴾ (۱)

''اور وہ اپنے اہل وعیال کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کیا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے نزدیک وہ پسندیدہ تھے۔''

حضرت عیسیٰؑ اپنے متعلق فرماتے ہیں:

﴿و أوصاني بالصلوٰة والزکوٰة مادمت حیاً﴾ (۲)

''اور وصیت کی مجھے (اللہ نے) نماز اور زکوٰۃ کی جب تک زندہ رہوں۔''

ابتداء اسلام سے (ہجرت سے پہلے ہی) مسلمانوں کو زکوٰۃ کی ترغیب دی گئی، سورہ مؤمنون (مکی) میں ہے۔

﴿قد أفلح المؤمنون ○ الذین هم في صلوٰتهم خاشعون ○ والذین هم عن اللغو معرضون ○ والذین هم للزکوٰة فاعلون ○﴾ (۳)

''یقیناً فلاح پائی ان ایمان والوں نے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں ...... (آگے فرمایا) اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔''

سورۂ نمل (جو مکی سورہ ہے) اس طرح شروع ہوتی ہے۔

﴿طٰس ○ تلك آیات القرآن و کتاب مبین ○ هدی و بشریٰ للمؤمنین ○ الذین یقیمون الصلوٰة و یؤتون الزکوٰة وهم بالآخرة هم یوقنون ○﴾ (۴)

''یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور کتاب مبین کی، ہدایت اور بشارت کے لئے ان ایمان والوں کے واسطے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔''

سورۂ لقمان (مکی) کی ابتدا بھی اسی طرح ہے:

﴿ هدی و رحمة للمحسنین ○ الذین یقیمون الصلوٰة و یؤتون الزکوٰة

---

(۱) سورۂ مریم/۵۵۔ (۲) سورۂ مریم/۳۱۔ (۳) سورۂ مومنون/۱-۴۔ (۴) سورۂ نمل/۱-۳۔

وھم بالآخرۃ ھم یوقنون٥ أولئك علی ھدی من ربھم و أولئك ھم المفلحون٥﴾ (۱)

"ہدایت اور رحمت ہے ان نیکوکاروں کے لئے جو نماز قائم کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، وہی ہدایت پر ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

سورۂ حم سجدہ (مکی) میں ہے۔

﴿وویل للمشرکین٥ الذین لا یؤتون الزکوۃ وھم بالآخرۃ ھم کفرون ٥﴾ (۲)

"بڑی خرابی ہے ان مشرکوں کی جو زکوۃ نہیں دیتے ہیں اور جو آخرت کے منکر ہیں۔"

ان آیات میں صراحۃً لفظ زکوۃ آیا ہے، باقی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر تو مکی سورتوں میں جا بجا ہے، لیکن اس زکوۃ کا مفہوم عام صدقہ وخیرات سے زیادہ نہ تھا اور ان مکی سورتوں میں اس کے قواعد اس کی تقسیم کا طریقہ اور اس کے مصارف بیان نہیں کیے گئے تھے، ۹ھ میں سورۂ براءت نازل ہوئی اس میں متعدد جگہ زکوۃ کا ذکر ہے، اسی میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿إنما الصدقت للفقرآء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفة قلوبھم و في الرقاب و الغارمین وفي سبیل اللّٰہ وابن السبیل، فریضة من اللّٰہ واللّٰہ علیم حکیم٥﴾ (۳)

"الصدقات" فقراء کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور اس کی وصولی وغیرہ کا کام کرنے والوں کے لئے، مؤلفۃ القلوب کے لئے (علاوہ ان مصارف کے) وہ صرف کیے جائیں، غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں کا قرضہ ادا کرنے میں اور راہ خدا میں اور مسافروں پر، یہ مقرر کیا ہوا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔"

---

(۱) سورۂ لقمان/۳-۵۔ (۲) سورۂ حم سجدہ/۶-۷۔ (۳) سورۂ توبہ/۶۰۔

چنانچہ اس کے بعد ہی زکوٰۃ کا پورا نظام مرتب ہوگیا اور اس کے تفصیلی احکام و مسائل منضبط ہوگئے اور اس کے وصولی کے لئے تمام عامل و محصل مقرر کردیئے گئے، اس کے بعد زکوٰۃ ایک ایسا فریضہ بن گیا جن کی قبولیت اور ادائی کے بغیر کوئی شخص اسلامی جماعت میں شامل اور دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا، سورہ براءت میں جن فرائض و مطالبات کی قبولیت پر قتال کے اختتام اور مصالحت کا حکم ہے، وہ قبول اسلام کے بعد دو ہی عملی فرائض ہیں، اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ۔

﴿فإنْ تـابوا وأقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة فخلّوا سبيلهم إن اللّٰه غفور رحيم٥﴾ (۱)

''پس اگر وہ تائب ہوجائیں (کفر و شرک سے) اور قائم کریں نماز اور ادا کرنے لگیں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

ان ہی دونوں فرائض کو قبول کرکے آدمی اسلام کی عالمگیر برادری میں داخل ہوسکتا ہے اور اخوت دینی کے رشتہ میں منسلک ہوتا ہے۔

﴿فإن تابوا و أقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة فإخوانكم في الدين ونفصل الآيٰت لقوم يعلمون٥﴾ (۲)

''پس اگر وہ تائب ہوجائیں اور قائم کرنے لگیں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ، تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم تفصیل کرتے ہیں احکام کی، جاننے والے لوگوں کے لئے۔''

اسلامی جماعت کے یہی اہم ترین ارکان اور عناصر ترکیبی ہیں جن کے بغیر کسی جماعت پر اسلامی جماعت اور ایمانی گروہ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

﴿والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض ۘ يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلوٰة ويؤتون الزكوٰة ويطيعون اللّٰه و

---

(۱) سورۂ براءۃ ۵۔ (۲) سورۂ براءۃ ۱۱۔

رسوله أولئك سيرحمهم الله إن الله عزيز حكيم ٥﴾ (۱)

''اور ایمان والے باہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں، حکم دیتے ہیں اچھائیوں کا، اور روکتے ہیں برائیوں سے اور قائم کرتے ہیں نماز، ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی، یہی ہیں جن پر رحمت کریگا اللہ، بے شک اللہ زوروالا اور حکمت والا ہے۔''

خدا اور رسول کی ولایت (سرپرستی وحمایت کا) وعدہ اسی بنا پر ہے:

﴿إنما وليكم الله ورسوله و الذين آمنوا الذين يقيمون الصلوٰة ويؤتون الزكوٰة وهم راكعون ٥ ومن يتول الله ورسوله و الذين آمنوا فإنّ حزب الله هم الغلبون ٥﴾ (۲)

''بس تمہارا رفیق وصاحب اللہ ہے اور اس کا رسول، اور ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں، اور جو ساتھ پکڑے اللہ ورسول کا اور ایمان والوں کا، یقیناً اللہ کا گروہ ہی غالب ہونے والا ہے۔''

قرآن مجید کے الفاظ میں یہ زکوٰۃ ان دینی ودنیاوی منافع وبرکات کی جامع ہے جس کے قائم مقام کوئی انسانی تدبیر اور معاشی انتظام نہیں ہوسکتا، زکوٰۃ کے ذریعہ جماعت کی زائد دولت کا ایک حصہ، جو اس کی ضروریات سے فاضل ہوتا ہے، (اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ سال بھر خرچ نہیں ہوا) ضرورت مند افراد کو پہونچ جاتا ہے، جن کے پاس اپنی ضروریات زندگی کا سامان نہیں۔

﴿تؤخذ من أغنيائهم و ترّد على فقرائهم﴾ (۳)

''زکوٰۃ قوم کے دولت مندوں سے وصول کی جائے گی اور انہی کے حاجت مندوں کو دی جائے گی۔''

اسلامی نظام زکوٰۃ

اس سلسلہ میں یہ چند باتیں قابل لحاظ ہیں جو نظام زکوٰۃ کی خصوصیات ہیں۔

(۱) سورۂ توبہ/۷۱۔ (۲) سورۂ مائدہ/۵۵-۵۶۔ (۳) بخاری ومسلم۔

۱- زائد دولت کا کم سے کم معیار مقرر کیا گیا، (یعنی دو سو درہم یا ساڑھے ساات ½۷ تولہ سونا یا ساڑھے باون ½۵۲ تولہ چاندی یعنی ساڑھے باون روپیہ جس پر پورا سال گزر جائے) اس طرح جماعت کی دولت کا بڑا حصہ غریبوں کے کام آجاتا ہے اور بہت تھوڑی شخصی مالیت اس جماعتی شرکت سے بچتی ہے۔

۲- اس دولت پر زکوٰۃ کی مقدار بہت کم رکھی گئی، جو ان مالکوں کے لئے ہر طرح قابل برداشت ہے، یعنی چالیسواں حصہ (½۲ فیصدی)

۳- ضرورتمندوں کا دائرہ بہت وسیع رکھا گیا اور ان میں سے ان کے ممتاز اقسام اور گروہوں کو مشخص کر دیا گیا، جو ہر اجتماعی زندگی اور تمدن کے ہر دور میں پائے جاتے ہیں، یعنی فقراء و مساکین، مقروض اشخاص، غلام، مسافر اور کچھ وہ جو انتظامی یا تبلیغی حیثیت سے ضروری ہیں یعنی محصلین زکوٰۃ العاملین علیها اور مؤلفة القلوب، پھر اس دائرہ کو "وفي سبيل الله" کہہ کر اور عام کر دیا۔[1]

۴- ان ضرورتمندوں کے لئے اسلام اور احتیاج کے علاوہ کوئی شرط نہیں لگائی گئی[2] یعنی نہ یہ شرط کہ وہ زکوٰۃ حاصل کرنے کے لئے فیس ادا کریں اور نہ یہ شرط کہ بیت المال میں پہلے سے ان کا کوئی روپیہ جمع ہو اور نہ یہ کہ وہ اس امداد کو کسی اضافہ کے ساتھ یا اصل بلا اضافہ ادا کریں گے[3] بلکہ یہ ان کا حق ہے اور امام اور جماعت اسلامی کا فرض ہے کہ وہ ان کا حق ان کو دے، اگر انھوں نے اس میں کوتاہی یا ناجائز تصرف کیا تو وہ گنہگار اور غاصب ہوں گے۔

۵- زکوٰۃ کی رقم مستحقین کو دے کر زکوٰۃ دینے والوں کا اس رقم سے ہر قسم کا مالکانہ تعلق منقطع ہو جائے گا اور ان کے اور اس کا انتظام کرنے والوں کے (امارت اور بیت

---

(۱) مصارف زکوٰۃ کی تفصیل وتشریح اور اختلافات فقہاء کے لئے ملاحظہ ہو "احکام القرآن للجصاص"، تفسیر احکام القرآن للقرطبی۔ (۲) امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہر وہ شخص جو خود مالک نصاب نہیں ہے، زکوٰۃ کا مستحق ہو سکتا ہے۔ (۳) جیسے امداد باہمی کی انجمنوں اور بینکوں کا قاعدہ ہے۔

المال کے) کوئی حقوق اور تحفظات نہیں ہوں گے، نہ ان کے لئے سودی قرض کی طرح کسی قسم کا انتفاع جائز ہوگا، یہاں تک کہ اس کا کسی ایسے شخص کو دینا بھی صحیح نہیں جس کو دے کر وہ مال اپنے ہی استعمال میں آجائے، جیسے ماں، باپ، اولاد، بیوی۔ زکوٰۃ لینے والا اس کے لینے کے بعد ایسا ہی آزاد ہوگا جیسے لینے سے پہلے تھا، اس کو کسی طرح اور کسی شکل میں اس کا واپس کرنا یا اس کا بدل کرنا ضروری نہیں، بخلاف سود کے جس کا لینے والا ایک عرصہ تک کے لئے (اور بعض اوقات ہمیشہ کے لئے) ایک جال میں پھنس جاتا ہے۔

۶- زکوٰۃ ان اموال میں ہے جن میں نمو (افزائش) کی صلاحیت ہے، جیسے نقد روپیہ، سونا چاندی 'مالِ تجارت' پیداوار اور جانور، اس لئے کہ وہی ہر سال کی اس کمی کا بدل کر سکتے ہیں اور بڑھتے رہتے ہیں، باقی روزمرہ کے استعمال اور ضرورت کی چیزیں، جیسے پہننے کے کپڑے، کھانے کے برتن، سکونت کے مکانات، سواری کے جانور اور اثاث البیت وغیرہ ان میں زکوٰۃ نہیں۔

اسی طرح زکوٰۃ کا وقت سال کا اختتام رکھا گیا ہے، ایک سال کی مدت اس مال سے استفادہ کرنے کی کافی طویل فرصت ہے، اس مدت میں نرخوں کے گھٹنے بڑھنے اور مختلف موسموں اور اور فصلوں کا اثر بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

۷- زکوٰۃ کا نظام فی الاصل اجتماعی ہے، یعنی اگر کوئی خاص عارض نہ ہو تو ہونا یہ چاہئے کہ اجتماعی طور پر امارت اسلامی کے انتظام سے وصول کی جائے اور اجتماعی طور سے اس کی طرف سے تقسیم ہو، اس طرح کوئی ایک فرد کسی ایک فرد کا شخصی طور پر ممنون نہیں ہوتا، نہ یہ علم ہونا ضروری ہے کہ فلاں شخص کو زکوٰۃ دی گئی، اس طرح بہت سے سفید پوش، مستور الحال، غیور انسان جو کسی شخص سے اپنی حاجت کا اظہار پسند نہیں کرتے اور اس کی شہرت نہیں چاہتے، ایک عام اور اجتماعی نظام میں معاشی امداد حاصل کر سکتے ہیں۔

۸- ایک کم ہمت مسلمان کو بھی اپنی زندگی میں اس کا اطمینان رہتا ہے کہ اگر

دفعۃً اس کی آنکھ بند ہوگئی یا کسی وجہ سے وہ اپنی اولاد کے لئے کوئی دولت نہ چھوڑ سکا تو زکوٰۃ کے نظام کی وجہ سے وہ ننگے اور بھوکے نہیں رہیں گے، اس کی وجہ سے اس پر موت کا اسقدر خوف طاری نہیں رہتا اور وہ ان دینی اور اجتماعی کاموں میں بے خوف وخطر حصہ لے سکتا ہے جن میں جان کا خطرہ ہے، وہ اطمینانِ قلب کے ساتھ جہاد وہجرت اور حج اور سفر کرتا ہے، کہ اس کی پشت پر ایک ایسا خزانہ ہے جو شخصی اور انفرادی نہیں، اور جو اس کے بعد اس کی کمزور اور یتیم اولاد اور اس کی بے یار و مددگار بیوی (بیوہ) کا متکفل ہے، اسی طرح اس کو اطمینان ہے کہ سفر میں اگر اس کا زادِ راہ ختم ہوجائے اور اس کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو گویا ہر جگہ اس کے لئے سرمایہ محفوظ ہے اور وہ وطن میں واپس آسکتا ہے۔

۹- بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، اس طرح مسلمانوں میں خاندانی ونسلی مفت خوروں کے طبقہ کے پیدا ہونے کا دروازہ بند کردیا گیا، اور دوسرے عام مستحقینِ زکوٰۃ کی امداد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا رکھا گیا جو بنی ہاشم کی عالی خاندانی کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے عملاً محروم ہوجاتے۔[1]

۱۰- زکوٰۃ کا روپیہ ایک مسلمان کے پاس سے نکل کر اسی جماعت کے دوسرے فرد کے پاس پہونچ جاتا ہے، اسی طرح گویا اسی کے پاس واپس آجاتا ہے، اس طرح زکوٰۃ خود اپنی ہی امداد ہے گویا ایک دریا سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی ہیں تاکہ سب کی کھیتیاں سینچی جاسکیں اور سب درختوں کو پانی پہونچے، پھر وہ پانی اسی دریا میں واپس آجاتا ہے، ایک منظم جماعت میں افراد کا ایک دوسرے سے اور جماعت سے ایسا گہرا تعلق ہوتا ہے اور ان کے اغراض ومصالح باہم اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک فرد یا چند افراد اس وقت تک خوشحال اور مطمئن نہیں ہوسکتے جب تک جماعت بحیثیت مجموعی خوشحال اور مطمئن نہ ہو، یہ زکوٰۃ اجتماعی خوشحالی کا ذریعہ ہے، اس لئے زکوٰۃ نہ دینا، اس سے

---

(۱) جیسے ہندؤوں میں برہمنوں اور یہودیوں میں یہود کی اولاد کی وجہ سے عام لوگوں کے لئے خیرات وصدقات کا دروازہ تقریباً بند ہوگیا۔

ہاتھ روکنا، خود اپنے اوپر ظلم اور اپنے حق میں بخل ہے، قرآن مجید نے نہایت حکیمانہ انداز سے راہِ خدا میں نہ خرچ کرنے کو خودکشی قرار دیا ہے۔

﴿وأنفقوا في سبيل الله ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة وأحسنوا إن الله يحب المحسنين﴾(۱)

"اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان ہلاکت میں اور نیکی کرو، اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔"

زکوٰۃ اور سود کا یہی بہت بڑا فرق ہے، سود خوری اور نظامِ سرمایہ داری میں چند افراد بہت بڑی دولت اور وسائلِ دولت کے مالک بن جاتے ہیں، اور دوسرے افراد وسائل زندگی تک سے محروم ہو جاتے ہیں، لیکن یہ ان افراد کی حقیقی خوشحالی نہیں ہے، کوئی شخص یا چند افراد کسی جماعت میں تنہا خوشحال نہیں ہو سکتے، جس طرح کوئی شخص کسی جنگل میں یا تنہا شہری زندگی نہیں گزار سکتا، زکوٰۃ کا روپیہ جماعت کو خوشحال کرتا ہے اور سود جماعت کو مفلس محتاج بنا کر ایک فرد یا چند افراد کو بہت بڑی دولت کا مالک بنا دیتا ہے، زکوٰۃ وہ تخم ہے جو زمین میں پڑ کر ایک دانہ سے سیکڑوں دانے تک پیدا کر دیتا ہے:

﴿مثل الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله كمثل حبة أنبتت سبع سنابل، في كل سنبلة مائة حبة والله يضعف لمن يشآء﴾(۲)

"جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال خدا کی راہ میں ان کی مثال اس دانہ کی طرح ہے جس سے اگیں سات بالیں، ہر بال میں سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے اللہ چاہے۔"

اور سود، دوسروں کی کھیتیوں کو کاٹ کر ان کو دانے دانے کا محتاج بنا دیتا ہے اور ایک شخص کے کھلیان کو بھر دیتا ہے، زکوٰۃ اور سود کے اس فرق کو قرآن نے اپنے معجزانہ بلیغ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

(۱) سورۂ بقرہ/۱۹۵۔ (۲) سورۂ بقرہ/۲۶۱۔

﴿يمحق[1] الله الربٰو ويربي الصدقٰت والله لا يحب كل كفار أثيم٥﴾[2]

"اللہ مٹاتا ہے سود اور بڑھاتا ہے خیرات اور اللہ نہیں چاہتا کسی ناشکرے گنہگار کو۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وما آتيتم من ربا ليربوا في أموال الناس فلا يربوا عند الله ۚ وما آتيتم من زكوٰة تريدون وجه الله فأولٰئك هم المضعفون٥﴾ [3]

"اور جو تم دیتے ہو بیاج تا کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں، سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے ہاں اور جو تم دیتے ہو زکوٰۃ جس سے تم چاہتے ہو رضا اللہ کی، سو وہی ہیں دونے کرنے والے۔"

۱۱۔ زکوٰۃ کے اس نظام میں کوئی خلاف فطرت چیز نہیں، جس کو جاری کرنے کے لئے کسی خونریزی یا ہنگامہ خیزی کی ضرورت ہو اور جس سے انسانی فطرت بار ہا بغاوت کرے، اس میں انسانوں کے مختلف مراتب اور معاشی طبقات کو بالجبر برابر کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، نہ انسانوں کو ان کے جائز سرمایہ سے، جو ان کی فطری صلاحیت یا محنت کا نتیجہ ہے، محروم کیا گیا ہے، بلکہ اس اختلاف کو واقعی اور طبعی تسلیم کیا گیا ہے۔

﴿والله فضّل بعضكم على بعض في الرزق فما الذين فضّلوا برآدي رزقهم على ماملكت أيمانهم فهم فيه سواء٥﴾ [4]

"اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک پر روزی میں، پس جن کو بڑائی دی گئی وہ اپنا حصہ اپنے غلاموں کو نہیں دیدیتے ہیں کہ پھر وہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔"

﴿نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحيٰوة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجٰت ليتخذ بعضهم بعضا سخريا ورحمة ربك خير

(۱) المحق: النقصان و ذهاب البركة و شيّ ماحق: ذاهب. قال الأزهرى: نقول محقه الله فانمحق و امتحق أى ذهب خيره و بركته. قال ابن سيده: و كل شيّ أبطلته حتى لايبقىٰ منه شيّ فقد محقته......قال الله تعالىٰ "يمحق الله الربٰو ويربي الصدقات" أى يستأصل الله الربوا فيذهب ريعه و بركته (ابن الأعرابي) المحق أن يذهب الشيّ كله حتى لا يرىٰ منه شيّ (لسان العرب)۔ (۲) سورۂ بقرہ/۲۷۶۔ (۳) سورۂ روم/۳۹۔ (۴) سورۂ نحل/۷۱۔

مما يجمعون﴾ (۱)

''ہم نے تقسیم کردی ہے ان کے درمیان ان کی روزی، دنیوی زندگی میں اور بلند کئے درجے ایک کے ایک پر، کہ بناتا ہے ایک دوسرے کو ماتحت، اور تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جوڑتے ہیں۔''

البتہ یہ ضروری قرار دیا ہے کہ انسانی ضروریات ہر فرد کو میسر ہوں اور جماعت کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ اس میں کوئی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے۔

یہ زکوٰۃ کا وہ الٰہی نظام ہے جو ہر طرح سے مکمل طور پر متوازن ومتناسب اور انتہائی طریق پر عادل ومعتدل ہے، اس کے کسی گوشہ اور کسی حصہ میں کوئی خلاء، کوئی کمی زیادتی اور کوئی بے ترتیبی نظر نہیں آتی، (صنع الله الذي أتقن كل شيئ)

اسلام نے جو زکوٰۃ مسلمانوں پر فرض کی ہے وہ ہمدردی وغمخواری اور حسن وسلوک کی کم سے کم حد ہے، یہ ایسا فریضہ ہے، جس سے روگردانی اور فرار اللہ تعالیٰ کو کسی صورت میں منظور نہیں، اسلامی شریعت نے نہایت جزم اور سختی کے ساتھ اس کا مطالبہ کیا ہے، اور اس کو اسلامی شریعت، مسلمانوں کا شعار اور دین کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا ہے:

﴿فإن تابوا وأقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة فإخوانكم في الدين﴾ (۲)

''لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہوجائیں گے دین میں۔''

جو اس کا منکر ہوگا یا اس کی ادائیگی سے جان بوجھ کر روگردانی کرے گا وہ اسلام کے دائرہ سے خارج اور جمہور امت سے علیحدہ سمجھا جائے گا، چنانچہ یہی وہ منکرین زکوٰۃ تھے، جن سے نبی ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ترین شخص حضرت ابوبکرؓ نے کھلے طریقہ پر قتال کیا تھا، اور اس قتال میں تمام صحابہ ان کے ساتھ تھے، اور اس اقدام پر ان

---

(۱) سورۂ زخرف/۳۲۔ (۲) سورۂ توبہ/۱۱۔

سب کا اجماع تھا۔

۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل اور طرز زندگی، اپنے ذوق ورجحان، اپنی ترغیب و دعوت اور اپنے مخصوص اصحاب، اہل تعلق، اہل ہمت واصحاب عزیمت کے سامنے اپنے نصائح اور ارشادات اور ہدایات اور تعلیمات میں صرف اسی حد پر اکتفا نہیں کی اور اس کی ہمدردی وخیر خواہی اور دائیگی حقوق کی سب سے اعلیٰ مثال یا آخری شکل قرار نہیں دیا، آپؐ نے اپنے معجزانہ نبوی اسلوب اور ایک مختصر جملہ میں جس کے سامنے بڑے بڑے ادیبوں اور عالموں کی بلاغت وفصاحت ہیچ ہے، اس بات کو اس طرح ادا کیا کہ: ''إن في المال حقا سوى الزكوة'' (بیشک مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے) ترمذی میں فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے کہ ''حضور سے زکوۃ کے بارہ میں سوال کیا گیا یا فاطمہ بنت قیس نے خود پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ''إن في المال حقاً سوى الزكوة '' اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ليس البر أن تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من امن بالله واليوم الآخرة والملئكة والكتاب والنبيين ج واتى المال على حبه ذوى القربىٰ واليتمىٰ والمساكين وابن السبيل والسآئلين وفي الرقاب ج وأقام الصلوة واتى الزكوٰة ج والموفون بعهدهم إذا عاهدوا ج والصبرين في البأسآء والضراء وحين البأس ط أولئك الذين صدقوا واولئك هم المتقون﴾[1]

''طاعت یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لیا کرو بلکہ طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ اور قیامت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اس کی محبت میں مال صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور

---

(۱) سورۂ بقرہ/ ۱۷۷

راہ گیر اور سائلوں پر اور گردنوں کے آزاد کرانے میں، اور نماز کی پابندی کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے جب کہ وعدہ کر چکے ہوں اور تنگی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے، یہی لوگ ہیں جو سچے اترے اور یہی لوگ تو متقی ہیں۔"

مال و دولت اور اسوۂ رسول اکرم ﷺ

مال کے ساتھ آپ ﷺ کا رویہ اور اپنے اہل بیت کے ساتھ آپ ﷺ کا معاملہ (خاص طور پر یہ بات ملحوظ رکھتے ہوئے کہ آپ ﷺ اس امت پر سب سے زیادہ شفیق اور اس کے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے، اور آپ ﷺ ہی نے فرمایا کہ "خیر کم خیر کم لأهله وأنا خیر کم لأهلي)[1] اس نبوی نقطۂ نظر کا پورا ترجمان تھا، جس کی صحیح تصویر کے لئے لغت اور ادب کا بڑا سے بڑا ذخیرہ ناکافی ہے، بلکہ سخن پروری اور عبارت آرائی اس کے تقدس و پاکیزگی کے لئے ایک دھبہ یا داغ ہے، وہ ایک ایسی ہستی کی بات ہے، جس کے سامنے خدا کی عظمت وجلال ہر وقت عیاں تھا، اس کے اخلاق، اخلاق الٰہی کا نمونہ تھے، اور یوم آخرت پر ہر وقت اس کی نظر رہتی تھی ﴿یوم لا ینفع مال ولا بنون ○ إلا من أتی الله بقلب سلیم ○﴾[2] "جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، مگر ہاں جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر جائے۔" جس طرح مچھلی پانی کے لئے بے قرار رہتی ہے یا دن بھر کی تھکی ماندی چڑیا اپنے آشیانے کے لئے بیتاب ہوتی ہے، اس سے زیادہ بیتابی و بے قراری اور شوق و انتظار اس کو آخرت کا رہتا تھا، اور اس کی زبان یوں گویا تھی "اللھم لا عیش إلا عیش الآخرة"[3] وہ اس مال کو سمندر کے جھاگ، ہاتھ کے میل، یا خزف ریزوں اور کنکریوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتا تھا، ساری مخلوق اس کی نظر میں خدا کا کنبہ تھی، اور خود وہ اپنے کو یتیموں اور غریبوں کا والی سمجھتا

---

(۱) ترمذی اور دارمی میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور ابن ماجہ نے حضرت عباسؓ سے روایت کی ہے۔

(۲) سورۂ شعراء/ ۸۸-۸۹۔ (۳) بخاری، ج/۲، ص/۹۴۹۔

تھا، دوسروں کے لئے عیش و آرام کا خواہشمند اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر و فاقہ کا آرزو مند، اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔

"أشبع یوما وأجوع یوما[1] ویقول "اللّٰهم ارزق ال محمد قوتاً"۔"[2]

اس نے خدا کا پیغام جو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون تھا، اپنی ازواج مطہرات کو صاف سنا دیا:

﴿ یاأیها النبي قل لأزواجك إن كنتن تردن الحیوٰة الدنیا وزینتها فتعالین أمتعكن وأسرحكن سراحا جمیلا ٭ وإن كنتن تردن اللّٰه ورسوله والدار الآخرة فإن اللّٰه أعدّ للمحسنات منكن أجرا عظیما﴾[3]

"اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار کو مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع (دنیوی) دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم مقصود رکھتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے پیغام خداوندی سنتے ہی ایک لمحہ توقف کے بغیر آپ کے ساتھ زندگی گزارنا پسند کیا اور اپنے باپ بھائی کے یہاں رہنے کو گوارا نہ کیا، جہاں راحت و آسانی دامن پھیلائے ہوئے ان کی منتظر تھی۔

حضور ﷺ اور اہل بیت کی زندگی

وہ زندگی کیا تھی جس کو آپ کی ازواج مطہرات نے اپنے لئے پسند کیا اور قابلِ

(۱) ترمذی نے ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میرے رب نے مجھ سے پوچھا کہ مکہ کی وادیوں کو سونا بنا دیا جائے؟ میں نے کہا نہیں، میرے رب مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کے کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، جب بھوکا ہوں تو آپ کو یاد کروں اور آپ کے سامنے گڑگڑاؤں، جب پیٹ بھرا ہو تو آپ کا شکر ادا کروں اور حمد کروں۔ (۲) بخاری، ج/۲، ص/۹۵۷۔ (۳) سورۂ احزاب/ ۲۸-۲۹۔

ترجیح سمجھا، حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی موروثی صداقت اور وسیع تجربہ اور واقفیت کے ساتھ بیان کرتی ہیں:

(ماشبع ال محمد من خبز البرّ ولقد كنّا نمكث الشهر والشهرين، لايوقد في بيتنا نار، وما كان طعامنا الا التمر والماء، ولقد توفي رسول الله ﷺ وما في بيتنا شيٌ يأكله ذو كبد إلّا كسرة خبز من شعير على رف لى)(۱)

''رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت باجرہ کی روٹی سے بھی سیر نہیں ہوئے، ہم ایک ایک مہینہ دو دو مہینے اس حالت میں گزارتے تھے کہ ہمارے گھر میں چولہا بھی نہیں جلتا تھا اور ہماری غذا صرف کھجور اور پانی ہوتی تھی، جس وقت رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا اس وقت ہمارے گھر میں ایک چیز بھی ایسی نہ تھی جس کو کوئی ذی حیات کھا سکتا، سوائے ایک روٹی کے ٹکڑے کے جو میرے سردل پر رکھا ہوا تھا۔''

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ چٹائی پر تشریف رکھتے ہیں جس کے نشانات آپ کے جسم مبارک پر پڑ گئے ہیں، گھر کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو دیوار سے لٹکا ہوا مشکیزہ، مٹھی بھر جو، اور ایک پرانی چٹائی کے سوا کچھ نظر نہ آیا، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ رو دیئے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا عمر کیوں رو رہے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اے نبی اللہ! کیوں نہ روؤں، یہ چٹائی ہے، جس کے نشانات آپ کے پہلو میں پڑ گئے ہیں، ان خزانوں میں مجھے صرف یہی نظر آ رہا ہے، جو میں دیکھ رہا ہوں، جب کہ کسریٰ وقیصر پھلوں اور نہروں میں ہیں، حالانکہ آپ اللہ کے نبی ہیں، حضور نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ ابن الخطاب! کیا تم شک میں مبتلا ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے عیش وآرام کی ساری چیزیں یہیں دے دی گئی ہیں۔ (۲)

---

(۱) بخاری ومسلم ودیگر کتب صحاح، (رف: اس لکڑی کو کہتے ہیں جو دیوار میں لگادی جاتی ہے اور اس پر سامان رکھتے ہیں)

(۲) بخاری، مسند ابن حنبل، سنن ابن ماجہ سب میں یہ حدیث موجود ہے، اور سب کے الفاظ ملتے جلتے ہیں۔

اپنی ضرورت سے زائد مال کو آپ تھوڑی دیر کے لئے بھی گھر میں رکھنا پسند نہ فرماتے تھے، اسی طرح صدقات کے مال جو عام مسلمانوں کی ملکیت ہے، ایک لحہ کے لئے گھر میں رکھنے کے روادار نہ تھے، اور جب تک اس کو تقسیم نہ فرمادیتے تھے، آپ کو سکون حاصل نہ ہوتا تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کے مرض وفات کے زمانہ میں میرے پاس چھ یا سات دینار تھے، آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ اس کو بانٹ دوں، حضورؐ کی تکلیف کی وجہ سے مجھے اس کا موقع نہ ملا، پھر آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے ان چھ سات دیناروں کے ساتھ کیا کیا؟ میں نے کہا میں آپؐ کی تکلیف کی وجہ سے ایسی مشغول ہوئی کہ خیال نہ رہا، آپؐ نے منگوایا، اور اپنے ہاتھ میں رکھا اور فرمایا کہ اللہ کے نبی کا کیا گمان ہوگا اگر وہ خدا سے اس حال میں ملے کہ.........اس کے پاس یہ ہو۔" (۱)

آپ ان اموال کو ان کی مناسب جگہوں پر پہونچانے اور تقسیم کرنے میں بالکل تاخیر نہ کرتے اور نہ اس کو دوسرے وقت کے لئے ملتوی کرتے تھے، عقبہ بن الحارث کہتے ہیں کہ "میں نے مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی، آپؐ نے سلام پھیرا اور بہت پھرتی کے ساتھ لوگوں کو پھلانگتے ہوئے ازواج مطہرات میں سے کسی کے حجرہ میں تشریف لے گئے، لوگ آپؐ کی عجلت کی وجہ سے بہت گھبرائے پھر وہاں سے باہر آئے اور آپؐ نے محسوس کیا کہ لوگوں کو اس سرعت کی وجہ سے بڑی حیرت ہے، آپؐ نے فرمایا کہ مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں کچھ سونا رکھا ہوا ہے، مجھے اچھا نہ معلوم ہوا کہ رات اس حالت میں گزاروں کہ وہ میرے پاس رہے۔ اس لئے میں نے اسے تقسیم کا حکم دے دیا ہے" (۲)

آپؐ نے اپنے صحابہ کرام اور اپنی پوری امت کو اسی اخلاق اور اسی سیرت پر تربیت فرمائی، اور مال خرچ کرنے کی ترغیب میں ایسی موثر نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں جن

---

(۱) مسند احمد۔ (۲) بخاری۔

کو پڑھ کر ایسا خیال ہونے لگتا ہے کہ فاضل مال میں شاید آدمی کا کوئی حق ہی نہیں، ان احادیث کو پڑھنے کے بعد ایک انسان جب اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہے، اور اس آرام و آسائش اور کشادگی و سہولت کو دیکھتا ہے تو اس کو بڑی دشواری محسوس ہوتی ہے، اس کو ہر چیز ضرورت سے زائد اور فاضل محسوس ہونے لگتی ہے، اور یہ خوبصورت پوشاکیں انواع واقسام کے کھانے آرام دہ سواریاں اور وسائل زندگی کی فراوانی اس کو غلط اور ناجائز نظر آتی ہے حالانکہ یہ صرف ترغیب کے دائرہ کی بات ہے، حکم شرعی اور قانون کی نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کا اسوہ یہی تھا۔

﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا﴾ (۱)

"رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لئے یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔"

صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "جس کے پاس ایک سواری زائد ہو تو جس کے پاس ایک بھی سواری نہ ہو اس کو دے دے، جس کے پاس ایک ناشتہ زائد ہو اس کو دے دے جس کے پاس ناشتہ نہ ہو۔" (۲)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "جس کے پاس دو کھانا ہو تو تیسرے کو بھی کھانا کھلائے اور جس کے پاس تین کھانا ہو وہ چوتھے کو شریک کرے۔" (۳)

آپؐ نے فرمایا "مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ شخص جو رات بھر پیٹ بھر کر سوتا رہا اور اس کا پڑوسی بھوکا رہا حالانکہ اس کو اس بات کی خبر تھی۔" (۴)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! مجھے کپڑا پہنایئے، آپؐ نے اس سے کہا کہ کیا تمہارا کوئی پڑوسی نہیں ہے جس

(۱) سورۂ احزاب/۲۱۔ (۲) ابوداؤد بروایت ابوسعید خدری ؓ۔ (۳) ترمذی۔ (۴) طبرانی فی الاوسط۔

کے پاس دو جوڑے زائد ہوں؟ اس نے عرض کیا ایک سے زیادہ ہیں، آپؐ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو اور تم کو جمع نہ کرے۔"(۱)

آپؐ نے انسان کا مرتبہ اور اس کی حاجت برآری و غمخواری کی قیمت اور اہمیت اتنی زیادہ بلند کی کہ اس سے بلند کسی اور معیار کا تصور ہی ناممکن ہے، اس میں کوتاہی کرنے والا ایسا ہے، جس طرح خاص خدا کی نافرمانی اور کوتاہی کرنے والا، مشہور حدیث قدسی ہے کہ "اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے بندہ سے فرمائیں گے کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا اے رب میں کیسے آپ کی عیادت کرتا آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ کو معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے؟ لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، وہ کہے گا اے رب میں کیسے آپ کو کھانا دیتا آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ کو خبر نہیں کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے اس کو کھانا نہیں دیا؟ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو وہ کھانا میرے پاس پہونچتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ کہے گا کہ اے رب میں آپ کو کیسے پانی پلاتا، آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے اس کو پانی نہیں پلایا اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔"(۲)

اس کی انتہا یہ تھی اور غمخواری و احسان اور عدل و انصاف کی اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "لا یؤمن احدکم حتّٰی یحب لأخیه ما یحب لنفسه"(۳) "تم میں سے کوئی اس وقت تک "کامل" مسلمان نہیں ہوگا، جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔"

صحابۂ کرام کی زندگی

رسول اللہ ﷺ کی سیرت نے صحابہ کرام کی زندگی، ان کے اذواق و رجحانات اور

(۱) طبرانی فی الاوسط۔ (۲) مسلم۔ (۳) بخاری۔

اپنے گھر والوں اور اپنے مال کے ساتھ ان کے رویہ پر بھرپور گہرا اثر ڈالا اور یہ روح ان کے رگ وریشہ، ان کے اخلاق اور ان کی عقلیت میں اس طرح جاری وساری ہوگئی کہ ان کی زندگی بڑی حد تک رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی تصویر یا عکس بن گئی، جو آپ سے زیادہ قریب تھا، وہ قدرتی طور پر آپؐ سے زیادہ مشابہ تھا، تاریخ نے ان کے زہد وتورع، غمخواری وحاجت برآری، قناعت پسندی، سادگی وجفاکشی اور ایثار وقربانی کے جو واقعات اور کارنامے محفوظ کردیئے ہیں، وہ اخلاق ومذاہب کی تاریخ میں سب سے اوپر اور سب سے زیادہ روشن نظر آتے ہیں، اور دنیا کی کوئی قوم اس کے قریب نہیں پہنچ سکی ہے۔

تاریخ کی مشہور روایت ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو ایک مرتبہ حلوہ کی خواہش ہوئی، انھوں نے اپنے روزینہ میں سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ایک رقم اس کے لئے جمع کرلی، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے یہ چند درہم بھی بیت المال میں داخل کردیئے اور جتنی رقم وہ حلوہ کے لئے بچالیتی تھیں اس کو یہ کہہ کر روزینہ میں سے کم کردیا کہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زہد ومجاہدہ اور سادہ زندگی تاریخ میں ضرب المثل بن چکی ہے، اس سلسلہ میں "جابیہ" کی طرف ان کے ایک سفر کا ذکر کافی ہے، جو انھوں نے خلیفہ اور امیر المؤمنین کی حیثیت سے کیا تھا، مؤرخ کے قلم نے اس کی اس طرح تصویر کھینچی ہے "وہ ایک اونٹ پر سوار تھے، ان کا سر دھوپ میں چمک رہا تھا، نہ سر پر ٹوپی تھی نہ عمامہ، ان کے دونوں پاؤں کجاوے کے دونوں کونوں کے درمیان ٹکرا رہے تھے، نیچے صرف ایک ادنیٰ انبجانی گدا تھا، جب اونٹ سے اترتے تھے تو وہی ان کا بستر ہوتا تھا، جب سوار ہوتے تھے تو وہی کجاوہ کا کام دیتا تھا، ایک تھیلا تھا جس میں روئی بھری ہوئی تھی، سفر کرتے تو اس سے تھیلے کا کام لیتے، اترتے تو تکیہ کے طور پر استعمال کرتے ان کی قمیص گزی گاڑھے کی تھی جو پرانی بھی تھی، اور ایک طرف سے پھٹ بھی گئی تھی۔"(۱)

(۱) البدایہ والنہایہ، ج/۷، ص/۵۹-۶۰۔

حضرت عثمان ﷺ جو اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ مالدار اور آسودہ حال تھے، ان کے متعلق شرحبیل بن مسلم کہتے ہیں کہ عثمان بن عفان ﷺ دوسروں کی ضیافت تو امیرانہ انداز میں کرتے تھے لیکن خود اپنے گھر جا کر صرف روٹی اور تیل تناول فرماتے تھے، حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (جن کا شمار مخصوص زہاد صحابہ میں ہے) کی زاہدانہ زندگی کی تصویر ضرار بن ضمرہ اس طرح کھینچتے ہیں:

''دنیا اور اس کی زینت و آرائش سے متوحش و بیزار، اور رات کی تاریکی سے مانوس تھے، بہت رونے والے، اور بہت سوچنے والے، اپنا ہاتھ پلٹتے تھے، اور اپنے نفس سے مخاطب ہوتے تھے، لباس معمولی اور کھانا موٹا جھوٹا ہوتا تھا، خدا کی قسم وہ ہم ہی میں سے ایک معلوم ہوتے تھے، ہم کچھ پوچھتے تھے تو فوراً جواب دیتے تھے، ہم ملنے آتے تو بات کی ابتدا خود ہی کرتے، ہم بلاتے تو دعوت قبول کرتے۔'' (۱)

اسوۂ رسول کا یہ عکس اور جمال نبوی کا یہ پرتو آپ ﷺ کی صحبت اور تربیت کے اعتبار سے تھا، چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا مرتبہ (جو حضور ﷺ کی سب سے محبوب بیوی تھیں) زہد و ایثار اور جود و عطا میں بہت بلند ہے، مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ ''انھوں نے ایک مرتبہ ایک لاکھ درہم صدقہ کئے، حالانکہ ان کے پاس صرف ایک پھٹی پرانی پوشاک تھی، اور وہ روزہ سے تھیں، ان کی خادمہ نے عرض کیا کہ اگر آپ افطار کرنے کے لئے کچھ بچا لیتیں تو اچھا تھا، جواب دیا کہ اگر اس وقت یاد دلاتی تو میں ایسا ہی کرتی، انھوں نے بھوک کی حالت میں ایک لاکھ صدقہ کر دیئے، اپنے کو بھول گئیں اور دوسروں کو یاد رکھا۔'' (۲)

یہ اخلاق اور روح، اولین اسلامی معاشرہ میں اس طرح سرایت کر گئی تھی کہ سب صحابہ ایک سانچہ میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے تھے، اور قربانی ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی،

---

(۱) صفوة الصفوة (ابن جوزی)۔ (۲) المستدرک للحاکم۔

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ "ہم پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ کوئی شخص اپنے کو مسلمان بھائی سے زیادہ اپنے دینار و درہم کا مستحق نہیں سمجھتا تھا۔"(۱)

اس کے نتیجہ میں ایسے عجیب و غریب واقعات پیش آئے جنھوں نے غمخواری کی حدوں کو مساوات و برابری سے ملا دیا اور حسن جوار کو ایثار کے بلند سے بلند مقام تک پہونچا دیا، یہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو ایک مرتبہ ایک بکری کی سری ہدیۃً ملی، انھوں نے یہ سوچ کر کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ حاجتمند ہے، اس کو وہاں بھیج دیا، اس نے یہی بات سوچ کر اس کو تیسرے کے پاس بھیج دیا، اسی طرح یہ سری ایک سے دوسرے کے پاس جاتی رہی اور سات گھروں کا چکر کرنے کے بعد انہی صحابی کے پاس واپس پہونچ گئی۔"(۲)

زہد و قربانی کے سلسلہ میں یہ لطافت حسن اور باریک بینی، ہمدردی و دلجوئی کا عشق اور مدد کرنے کا جذبہ اور شوق جو بعد کی نسلوں میں منتقل ہوا اس میں تابعین کا حصہ قدرتی طور پر سب سے زیادہ تھا۔

سید التابعین حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ "مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ جب صبح ہوتی تھی تو ایک آدمی یہ آواز لگاتا تھا "گھر والو اپنے یتیم کی خبر لو، اپنے مسکین کی خبر لو۔"(۳)

خاص طور پر بنی ہاشم اور اہل بیت کے بزرگ اس میدان میں بہت آگے تھے، اور صدق و اخلاص کے ساتھ اس راستہ پر گامزن تھے، امام حسن ؓ اور عبد اللہ بن جعفر ؓ کے جود و سخا اور دلداری و کرم گستری کے سلسلہ کے بکثرت واقعات مؤرخین نے قلمبند کئے ہیں، علی بن حسین بن علی ؓ (زین العابدین) کو آباء و اجداد سے ان فضائل و مناقب میں مرتبۂ سبقت و فضیلت حاصل تھا، محمد ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ "مدینہ میں بکثرت ایسے آدمی تھے، جن کو یہ نہ معلوم تھا کہ وہ کیسے زندگی گزار رہے ہیں، اور ان کا رزق کہاں سے آتا

---

(۱) بخاری (الادب المفرد)۔ (۲) احیاء العلوم، ج/۲، ص/۱۷۴۔ (۳) الادب المفرد للبخاری۔

ہے، جب علی بن حسین ؓ کی وفات ہوئی تو یہ سلسلہ بند ہو گیا، اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ وہی تھے، جو راتوں کو چھپ چھپ کر ان کے پاس سامان پہونچاتے تھے، ان کی وفات کے بعد دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کی پیٹھ اور شانہ پر بیواؤں اور مسکینوں کے ہاں بورے پہونچانے کی وجہ سے نشان پڑ گئے ہیں۔"(۱)

ایثار و ہمدردی کے جستہ جستہ واقعات

اسلامی نسلوں نے ذوق رفیع، احساس لطیف، اور نفس کے احتساب کے اس قیمتی ورثہ کی برابر حفاظت کی، راسخین فی العلم علماء حق اور اہل تربیت و اصلاح ہر ملک اور ہر زمانہ میں اس طرز زندگی اور اس ذوق کی مکمل نمائندگی کرتے رہے، ان کے حیرت انگیز واقعات، کارناموں اور قربانیوں کے تذکرہ سے تاریخ و تراجم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، ان مایہ ناز مؤرخین کے جمع کردہ واقعات سے زیادہ محیر العقول اور عجیب واقعات وہ ہیں، جو بہت سی کتابوں میں ملتے ہیں، جو اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں اور جن کے متعلق یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس میں یہ چیزیں مل سکیں گی۔

ان حق پرست اور اہل دل علماء و شیوخ کا اصول و شعار ہمیشہ یہ رہا کہ رات تک ان کے ہاں روپیہ باقی نہ بچے، اپنی ضرورت کو ملتوی کر کے وہ دوسروں کی ضرورت پوری کریں، ان کے پاس جو تحفے اور ہدایا امراء اور اغنیاء کی طرف سے آئیں وہ شہر کے ان غرباء اور اہل حاجت کے لئے وقف کر دیں جو اس سے محروم ہیں، اور نا قابل اعتناء سمجھ لئے گئے ہیں، ان کا مسلک اور اصول یہ تھا "تؤخذ من أغنيائهم و ترد على فقرائهم" (ان کے امراء سے لیا جائے اور غرباء کو دیا جائے) ان کا دسترخوان ان کے دل کی طرح امراء و اغنیاء کے دسترخوان سے زیادہ کشادہ، وسیع اور عمومی تھا، حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے (جو اس پورے طبقہ اصفیاء کے سرگروہ و سرخیل ہیں) منقول ہے کہ ایک مرتبہ انھوں

---

(۱) یہ واقعات زیادہ تر ہمارے دوست ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ کی کتاب "اشتراکیۃ الاسلام" سے ماخوذ ہیں۔

نے اپنے متعلق فرمایا کہ ''میری ہتھیلی میں سوراخ ہے، اس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی، اگر ایک ہزار دینا بھی میرے پاس آئیں تو رات آنے سے پہلے ختم ہو جائیں''(۱) ایک مرتبہ فرمایا کہ ''میری خواہش ہے کہ پوری دنیا میرے ہاتھ میں دے دی جائے اور میں بھوکوں کو کھلاتا رہوں۔''(۲)

عالم اسلام کے وسیع رقبہ اور اس کے دور دراز گوشوں اور کناروں میں سے کوئی کنارہ اور گوشہ ایسا باقی نہ تھا، جہاں اس قسم کے لوگ نہ پائے جاتے ہوں، ان سب علاقوں میں سے کسی کا حصہ بھی کم نہ تھا، ان مخلص وربانی علماء ومشائخ اور اہل دل کے حالات زندگی، زہد وایثار، ہمدردی ودلداری، اخوت، بذل وعطا، سخاوت وفیاضی سے عشق، اور حاجت براری کے شوق اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہونچانے کے ذوق کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں، ہم ان نمونوں میں سے یہاں صرف دو نمونے پیش کر رہے ہیں، جو اس طبقہ کی زندگی میں اس طرح یکسانیت اور تسلسل کے ساتھ پائے جاتے ہیں، جس طرح کسی درخت کے پتوں میں یکسانیت ہوتی ہے، یہ سب شجر نبوت کے برگ وبار ہیں، اور اس ''اصل'' سے نکلے ہیں، جس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿أصلها ثابت وفرعها في السماء تؤتي أكلها كل حين بإذن ربها﴾(۳)

''جس کی جڑ (خوب) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں (خوب) اونچائی میں جا رہی ہیں، وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا رہتا ہے۔''

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے متعلق ان کے خادم شہادت دیتے ہیں کہ سحری جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا، آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے، باقی کے لئے ارشاد ہوتا کہ بچوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو، خواجہ عبد الرحیم جن

---

(۱) فوائد الجواہر ص/۱۰۔ (۲) ایضاً۔ (۳) سورۂ ابراہیم/۲۴-۲۵۔

کے ذمہ سحر کا لے جانا تھا، بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت والا افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں، اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو ضعف بہت بڑھ جائے گا، اس پر گریہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور بے کس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوتے ہیں، اور فاقہ سے رات گزار دیتے ہیں، یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اتر سکتا ہے، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اٹھا کر لے جاتا۔

جب وفات کا وقت قریب ہوا، تو تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے، طلب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس سے بچالی ہے تو کل روزِ قیامت اس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا، اقبال (خادم) نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے، سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے، اور واقعی اس جوانمرد نے ایسا ہی کیا تھا، سوائے اس غلہ کے جو چند دن کے لئے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا، سب کو تقسیم کر دیا تھا، سید حسین کرمانی نے اطلاع دی کہ غلہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہونچ گئی، سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے، ان کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مردار ریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ اقبال نے عرض کیا کہ غلہ کے سوا جو کچھ موجود تھا، سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بلاؤ، جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلہ کے انبار خانے توڑ ڈالو، اور تمام غلہ بے تکلف اٹھا لے جاؤ، اور وہاں جھاڑو دے دو، ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور اس نے غلہ کو لوٹ لیا۔ [1]

اس طرز زندگی کا دوسرا نمونہ بارہویں صدی کے ایک بزرگ سید محمد سعید انبالویؒ [2] کی سیرت سے پیش کرتے ہیں، سیرت نگار لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ نواب روشن الدولہ ان کی زیارت کو حاضر ہوئے اور خانقاہ کی تعمیر کے لئے ۶۰ ہزار روپیہ (جس کی قیمت

---

(۱) سیر الاولیاء۔ (۲) معروف بہ سید میراں بھیک، آپ حضرت شاہ ابوالمعالی انبیٹھوی کے خلیفہ تھے (م ۱۱۳۱ھ) سوانح کے لئے ملاحظہ ہو، نزہۃ الخواطر، ج/۶۔

آج کل لاکھوں سے کم نہ ہوگی) ان کی خدمت میں پیش کیا، شیخ نے ان سے کہا کہ روپیہ کسی جگہ چھوڑ دیں اور آرام کریں، جب روشن الدولہ واپس ہوئے تو آپ نے شہر اور قریب کے گاؤں اور قصبات کے تمام فقراء، اہل حاجت اور یتیموں اور بیواؤں کو دعوت عام دے دی اور ایک پیسہ بھی اپنے لئے نہ رکھا، جب روشن الدولہ سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو آپ نے ان سے کہا کہ عمارت کی تعمیر میں وہ ثواب نہیں جو اہل حاجت وفقراء کی خدمت میں ہے۔

ایک مرتبہ شاہ فرخ سیر، نواب روشن الدولہ اور نواب عبداللہ خاں کے خطوط اور اس کے ساتھ تین لاکھ روپیہ کی رقم پہونچی، آپ نے سب قصبات و دیہات کے شرفاء اور اہل حاجت میں تقسیم کردی۔ (۱)

کہا جاسکتا ہے کہ یہ تو اس طبقہ زہاد کا حال ہے جو دنیا اور اسباب دنیا سے پہلے ہی کنارہ کش ہو چکا ہے، اور اس کو مخلوق سے کوئی واسطہ اور زندگی کے دھارے سے کوئی تعلق نہیں ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ زہد وایثار اور استغناء و بے نیازی کی یہ مثالیں امت کے دوسرے طبقوں میں بھی ملتی ہیں یا نہیں؟ تاریخ پورے اعتماد کے ساتھ اس کا جواب اثبات میں دیتی ہے، اس لئے کہ ہر اسلامی نسل، ہر اسلامی معاشرہ اور ہر اسلامی ماحول اور ہر اسلامی دور میں ایسے لوگ ہمیں ملتے ہیں، جو ان چیزوں میں رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عامل اور اپنی زندگی، اپنے مال، اہل وعیال یہاں تک کہ اپنے پڑوسیوں اور ہم وطنوں کے ساتھ معاملہ میں اسی اخلاق نبوی کے حامل ہیں، تاریخ نے ان کے جستہ جستہ واقعات ہمارے لئے محفوظ کر دیئے ہیں، اور ان میں سلاطین وامراء، علماء وصلحاء سب شامل ہیں، ہم اس موقع پر صرف دو طبقوں کا ذکر کرتے ہیں، ایک اہل علم کا طبقہ اور دوسرا سلاطین وفاتحین کا۔

علماء اسلام کی شرف نمائندگی کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا نام سب سے زیادہ موزوں ہے، اس لئے کہ عام طور پر وہ لوگ جو ان سے ناواقف ہیں ان پر خشکی و بے روحی کا الزام لگاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا علم اور ان کی عقل ان کے دل اور جذبات پر حاوی

---

(۱) نظام تعلیم وتربیت۔ ج/۲، مناظر احسن گیلانی۔

ہے، ان کے معاصر حافظ ابن فضل اللہ العمری لکھتے ہیں کہ:

''ان کے پاس سونے چاندی اور مال واسباب کے ڈھیر آتے اور وہ سب کو تقسیم کردیتے اور دامن جھاڑ کر اٹھ جاتے، اگر کسی چیز کو رکھتے بھی تو اس نیت سے کہ کسی کو دینا ہے۔''

ان کی داد و دہش اور جود وسخا کا یہ حال تھا کہ بعض وقت اپنے کپڑے تک اتار کو سائل کو دیدیتے تھے، حافظ ابن فضل اللہ لکھتے ہیں۔ ''وہ بکثرت صدقہ وخیرات کرتے اور جب کوئی چیز دینے کو نہ بچتی تو بعض وقت اپنے کپڑے تک اتار کر اہل حاجت اور فقراء کو دے دیتے۔''

سلاطین وفاتحین کی نمائندگی کا حق سلطان صلاح الدین ایوبیؒ سے زیادہ اور کس کو پہونچتا ہے، وہ اپنے عہد کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے فرماں رواں تھے، اور اپنے زمانہ کی سب سے بڑی فوجی طاقت کو انھوں نے شکست دی، ان کے رفیق ابن شداد شہادت دیتے ہیں کہ ''سلطان نے اپنے ترکہ میں صرف ۴۷ درہم اور ایک سونے کا سکہ چھوڑا، باقی کوئی جائداد وملکیت نہیں چھوڑی۔''

یہ عظیم فاتح اور فرماں روا جو ایشیا میں شام کے شمالی حدود سے لے کر افریقہ کے صحراء نوبہ کے جنوب تک سارے علاقہ کا حکمراں تھا، دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا کہ اس کے پاس اتنی رقم بھی نہ تھی جس سے اس کی تجہیز وتکفین کا سامان کیا جاسکے، ابن شداد لکھتے ہیں:

''ان کی تجہیز وتکفین میں ایک پیسہ بھی ان کی میراث سے صرف نہیں ہوا سارا سامان قرض سے کیا گیا، یہاں تک کہ قبر کے لئے گھانس کے پولے بھی قرض سے آئے، کفن کا انتظام ان کے وزیر وکاتب قاضی فاضل نے کسی جائز وحلال ذریعہ سے کیا۔''

یہ کسی ایک نسل یا فکری وروحانی مکاتب خیال میں سے کسی ایک مکتب خیال کا ذکر

نہیں ہے بلکہ تمام علماء ربانیین اور شیوخ کاملین کا ہر زمانہ میں یہی حال رہا، ان کا اصول یہ تھا کہ "نیا دن، نیا رزق" وہ نہ کچھ جمع کرتے تھے، نہ خرچ ہونے اور ختم ہو جانے کے ڈر سے بخل سے کام لیتے تھے، یہ کسی عہد رفتہ کی کہانی نہیں بلکہ اس زمانہ میں بھی ایسے علماء و مشائخ موجود ہیں، جو یہ پسند نہیں کرتے کہ ضرورت سے زائد کوئی چیز، جس کے اللہ کے دوسرے بندے حاجتمند ہوں، ان کے پاس باقی رہے یا رات اس حال میں گزرے کہ ان کے پاس فاضل روپیہ ہو، یہ بات رہبانیت اور دنیا سے کنارہ کشی کی وجہ نہیں ہے، نہ اس کی پشت پر خدا کے قانون میں دخل اندازی یا خدا کی آسان کردہ چیزوں میں تشدد پسندی یا اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دینے کا جذبہ ہے، نہ انھوں نے مجبوری کی وجہ سے اس طرز زندگی کو اختیار کیا ہے، بلکہ ان کے پیش نظر صرف محاسبہ کا خوف، خلق خدا پر شفقت، سنت رسول کی پیروی، جود و عطا، ایثار و قربانی اور تمام اعمال صالحہ جو حضور ﷺ کی اقتداء اور عملی مثالوں اور زندہ نمونوں کے ذریعہ ان کاموں کی خاموش ترغیب ہے، ان کے اس طرز عمل کا ان کے مریدین و اہل تعلق پر بہت گہرا اثر پڑتا تھا، اور ان میں ان کے نقش قدم پر چلنے کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہو جاتا تھا۔

اسلامی سوسائٹی اپنے نقائص اور کمزوریوں اور متعدد بیماریوں کے باوجود جس کا مقابلہ مصلحین امت برابر کرتے رہے ہیں، اب بھی ہمدردی و غمخواری اور صدقہ و خیرات کے کاموں میں دوسری کسی سوسائٹی سے ممتاز اور فائق ہے، باہمی ہمدردی اور اعانت و غمخواری کا جذبہ اسلامی تعلیمات کی بدولت اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہے، وہ مادہ اور معدہ کی پرستش سے بہ نسبت دوسرے معاشروں کے سب سے زیادہ آزاد ہے، اس کے علاوہ اس میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو مادہ پرستی کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے رہتے ہیں، اور اس کو دین اسلام کی اخلاقی قدروں کے دائرہ اثر میں لانا چاہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں تجارتی رقابت، انفرادی اور شخصی انانیت، اور دولت پرستی کا تناسب ان

سوسائٹیوں کے بہ نسبت جو اس زندگی کے بعد کسی اور زندگی کی قائل نہیں اور عیش و آرام کے سوا اپنی زندگی کا کوئی مقصد نہیں رکھتیں اور خیالی معاشی معیاروں کے پیچھے دیوانہ وار سرپٹ دوڑ رہی ہیں، بہت کم ہے۔ (۱)

یہ اسلامی معاشرہ کی موجودہ خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود اس کا ایک خاص امتیاز ہے، اس کے سامنے اجتماعی انصاف اور اعلیٰ انسانی قدروں کے اختیار کے مواقع دنیا کے ہر سوسائٹی سے زیادہ ہیں، اور اس کا اصل سبب کسی نہ کسی درجہ میں اسلامی زندگی کا احترام اور اس ایمانی رشتہ کا وجود ہے، جس نے اس کے تمام اجزا کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔

رضا کارانہ اور فطری جذبۂ ہمدردی یا جبری اور محدود نظریۂ مساوات

موجودہ زمانہ میں جو معاشی اور ترقی پسندانہ تحریکیں پیدا ہوئی ہیں ان کی قدر مشترک یہ ہے کہ وہ انسان اور انسانیت پر کوئی بھروسہ نہیں رکھتیں، ان تحریکوں کے داعیوں اور حامیوں

---

(۱) مصنف سے حجاز کے بعض معمر اور معتبر بزرگوں نے جو اشراف کے عہد کو دیکھ چکے تھے، خود بیان کیا کہ مکہ مکرمہ کے تاجر اس زمانہ میں اپنے ہم پیشہ تاجروں کے ساتھ بڑی خیر خواہی اور تعاون کا معاملہ کرتے تھے، انھوں نے یہ واقعہ سنایا کہ بعض تاجر ایسے تھے کہ شام کے وقت اگر کوئی خریدار ان کے پاس آتا اور وہ سمجھتے کہ جتنا حساب ایک دن کے لئے انھوں نے مقرر کیا تھا وہ پورا ہو چکا ہے اور اتنی بکری ہو گئی ہے جو ایک دن کے لئے کافی ہو جائے گی جب کہ ان کا پڑوسی تاجر اس دن زیادہ خوش قسمت ثابت نہیں ہوا ہے، تو وہ بڑی نرمی سے اس خریدار سے کہتے کہ میرے بغل میں جو دکان ہے، یہ سامان آپ وہاں سے لے لیجئے کہ آج ان کے یہاں خریدار زیادہ نہیں آئے ہیں۔

محمد اسد صاحب نے ایک اور مشہور اسلامی شہر دمشق کی زندگی پر اسی سے ملتے جلتے تاثرات قلمبند کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ "یہاں یہ سوچ کر مجھے ان غریبوں کے اندرونی سکون و اطمینان یا قلبی طمانیت کا سراغ مل گیا، یہ دراصل اس معاشرت اور برتاؤ کا نتیجہ تھا جو وہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے، اس کے بعد وہ اس معاشرہ اور برتاؤ کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اندرونی سکون و اطمینان اس طریقہ میں نظر آیا جس طریقہ سے دکاندار اپنے گاہکوں سے برتاؤ کرتے ہیں، یہ لوگ جن میں خوف اور حسد کا کوئی شائبہ ہی نہیں معلوم ہوتا تھا، اگر کسی دکاندار کو اپنی کسی ضرورت سے غیر حاضر رہنا پڑتا تو وہ اپنے پڑوسی یا ہم پیشہ قریبی دکاندار کی نگرانی میں بے تکلف اپنی دکان چھوڑ کر چلا جاتا، اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی گاہک آتا اور دکان کو خالی پا کر سوچنے لگتا کہ لاؤ دوسری جگہ سے سودا خرید لیں، اس وقت وہ دکاندار اپنی دکان چھوڑ کر آجاتا اور سودا بیچتا، اپنا سودا نہیں اپنے ساتھی کی دکان کا سودا اور قیمت اس کے کاونٹر پر رکھ دیتا، کیا یورپ میں بھی کبھی ایسی تجارت دیکھی گئی ہے!؟ (الطریق الی مکہ، ص/۱۹۷)۔

نے جبری اور محدود طرز کی مساوات کو انسان کے فطری، اندرونی اور رضا کارانہ ہمدردی و خیر خواہی پر ترجیح دی ہے، اور اس اہم حقیقت کو فراموش کر دیا ہے کہ صرف مال ہی انسان کی ضرورت نہیں، اور تنہا مال میں شرکت یا مساوات اس کے دل اور احساسات و جذبات کے خلا کو پر نہیں کر سکتی اور نہ اس کے ہر زخم پر مرہم رکھ سکتی ہے، زندگی میں عام جذبۂ ہمدردی کی اس کو ذرائع آمدنی اور ذرائع پیداوار میں شرکت سے کہیں زیادہ ضرورت ہے بعض اوقات ایک قطرۂ اشک جو کسی دکھے ہوئے دل کا غماز ہوتا ہے، وہ کام کر جاتا ہے جو زر و جواہر اور لعل و گہر سے بھی نہیں ہوتا، ہر انسان کو اپنے بھائی کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے، اور وہ بھی اس کے تعاون کے محتاج ہوتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کی تکلیفوں اور دکھوں میں ہاتھ بٹاتے ہیں، ان کی لطافتِ حس کی بھی ضرورت ہے اور نزاکتِ خیال کی بھی، دل کی گرمی، گرمجوشی، اور خندہ پیشانی کی بھی، خوش خلقی و خوش دلی اور بشاشت و انبساط کی بھی، اس کو پیش نظر رکھا جائے تو نظر آئے گا کہ حضور ﷺ کی ہدایت و تعلیم، ہمدردی و غمخواری کی تمام قسموں اور اس کے باریک سے باریک اور نازک سے نازک گوشوں پر حاوی ہے، اور اس میں انسانی احساسات کی سب سے سچی اور اچھی تصویر پیش کی گئی ہے، خیر خواہی اور نیکی کے کاموں اور صدقہ کی قسموں کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"تعدل بين الاثنين صدقة وتعين الرجل في دابته فتحمله عليها أو ترفع له عليها متاعه صدقة والكلمة الطيبة صدقة وبكل خطوة تمشيها إلى الصلوٰة صدقة وتميط الأذى عن الطريق صدقة" (۱)

"دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرو تو یہ صدقہ ہے، کسی کو سہارا دے کر سواری پر بٹھاؤ تو یہ بھی صدقہ ہے، اس کا سامان اٹھا کر اوپر رکھ دو یہ بھی صدقہ ہے، اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے، نماز کی طرف ایک قدم اٹھانا بھی صدقہ ہے، اور راستہ سے کوئی

---

(۱) صحیحین۔

خراب اور تکلیف دینے والی چیز (اینٹ پتھر کانٹے وغیرہ) ہٹادینا بھی صدقہ ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "مصیبت زدہ، حاجت مند کی مدد کرے، دریافت کیا گیا کہ اگر ایسا نہ کر سکے؟ فرمایا کہ اچھائی اور نیکی کا حکم دے، صحابہ کرام نے پوچھا اگر یہ بھی نہ کر سکے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، برائی سے باز رہے یہ بھی صدقہ ہے۔"(۱)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ "اگر تم کسی کام کرنے والے کی مدد کرو یا کسی پھوہڑ(۲) کا کام بنادو تو یہ بھی صدقہ ہے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر اتنا کمزور ہو کہ اس طرح کے بعض کام نہ کر سکے؟ ارشاد ہوا، اپنے شر سے لوگوں کو بچاؤ تو یہ تمہارے نفس پر تمہارا صدقہ ہوگا۔"(۳)

ایک اور دوسری حدیث میں ہے کہ "اپنے بھائی سے مسکراتے ہوئے ملنا بھی صدقہ ہے، اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، بھٹکے ہوئے آدمی کی رہنمائی کرنا اور راستہ بتانا بھی صدقہ ہے، جسے کم نظر آتا ہو اس کو اپنی نظر سے فائدہ پہونچانا بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، کانٹا، ہڈی ہٹادیا بھی صدقہ ہے، اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی بھر دینا بھی صدقہ ہے۔"(۴)

انسان کی فطری ہمدردی پر جس کا سوتا دل کی گہرائیوں سے ابلتا ہے، اور زندگی کی رگوں اور معاشرہ کے تمام گوشوں میں خون کی طرح جوش مارتا ہے، برآمد کی ہوئی مساوات کو (جو طاقت کے بل پر نافذ کی جاتی ہے) ترجیح دینے کا نتیجہ ہے کہ ان کمیونسٹ اور سوشلسٹ ملکوں میں ایسا معاشرہ پیدا ہوگیا جو انسانی ہمدردی سے نا آشنا اور جذبۂ خیر خواہی سے محروم ہے، اس کے افراد اس طرح کے تاجر بن گئے ہیں، جو باہم دست و گریباں ہیں، نہ کوئی کسی پر بھروسہ کرتا ہے، نہ دوسرے کی خاطر اپنے حق سے کبھی دست بردار ہو سکتا ہے، ہر شخص ایک دوسرے کے خلاف جاسوسی میں مصروف ہے، اس کے خلاف جھوٹی خبریں اور

---

(۱) صحیحین۔ (۲) جس کو اس کام کا سلیقہ نہ ہو۔ (۳) صحیحین۔ (۴) ایضاً۔

جعلی دستاویزات تیار کرتا ہے، اس کی مصیبت وابتلا پر خوش ہوتا اور اس کی ترقی وکامیابی پر غمگین ہوتا ہے، غرض کی پورا ملک ایک ایسا میدانِ کارزار بن جاتا ہے جہاں کسی کی جان محفوظ نہیں، یا کچہری وعدالت میں جہاں کسی کی آبرو کی ضمانت نہیں۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں میں احساس ذمہ داری اور اپنے فرض کے صحیح طور پر بجا آوری کا جذبہ جس میں انسانی شرافت وعظمت کا راز پوشیدہ ہے، بالکل مفقود ہو گیا ہے، وہ ہر پابندی وذمہ داری اور احساسِ فرض سے آزاد ہو کر بالکل چھٹے ہوئے آوارہ جانوروں کے مشابہ ہو گئے ہیں جن کو سوائے چرنے، جگہ جگہ منہ مارنے اور مسلسل کھاتے رہنے کے اور کوئی کام نہیں، ہر قسم کی ذمہ داری حکومتوں اور ان کے انتظامی مشنری اور ملک کے تعزیری قوانین پر ڈال دی گئی ہے، معاشرہ کے ساتھ ایک ایسے نابالغ بچہ کی طرح معاملہ کیا جاتا ہے جو عقل وتمیز سے بالکل محروم ہے، حکومت ہی سب کچھ لیتی دیتی ہے، اور ہر شخص کی ضرورت پوری کرتی ہے، اس لئے ہمدردی اور رحم دلی، سخاوت وایثار اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون قدرتی طور پر بے معنی الفاظ بن گئے ہیں، ہر شخص کے حقوق کی ضمانت اور ضروریات زندگی کی کفالت، حکومت اپنے ذمہ رکھتی ہے، اور لوگ گونگے بہرے مشینی پرزوں کی طرح اس کے اشارہ پر چلتے ہیں، اس لئے قدرتی طور پر ان میں سے کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اس کے برخلاف قدرتی، فطری اور قلب انسانی کے اندر سے ابھرنے والی ہمدردی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا سکون واطمینان، باطنی سعادت، باہمی اعتماد اور محبت ومودت، امن واطمینان، روح کی لذت، ضمیر کی آسودگی، انسانیت پر ناز اور زندگی کے تابناک پہلو کو دیکھنے کا ولولہ، اپنے فرض وذمہ داری کا مکمل احساس اسلام کے اولین معاشرہ میں اپنی تمام گہرائیوں، بلندیوں اور رعنائیوں کے ساتھ موجود تھا، اور زندگی کے ہر شعبہ پر اس کی چھاپ تھی، لیکن انقلاب حال صرف اسی زمانہ تک محدود نہیں، جو انسانی

معاشرہ جبری اور محدود مساوات کے مقابلہ میں اس جامع وفطری اور رضا کارانہ جذبۂ ہمدردی کو اپنا اصول اور نظامِ زندگی بنالے گا، اس کے سب افراد باہم شیر وشکر اور ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد بن جائیں گے، سب ایک دوسرے کا کھلے دل سے اعتراف کریں گے، اور فراخ دلی سے اس کے حق میں شہادت دیں گے، ہر نسل اپنی گذشتہ نسل کے لئے سبقت وفضیلت کی شہادت دے گی، اور اس کے لئے قبولیت ومغفرت کی طلب گار اور دعا جو ہوگی، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

﴿والذين جآء وا من بعدهم يقولون ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولاتجعل في قلوبنا غلاً للذين امنوا ربنآ إنك رؤف رحيم ٥﴾ (۱)

"اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو ان کے بعد آئے (اور وہ) یہ دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دے، اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفیق ہے، بڑا مہربان ہے۔"

یہ وہ اسلامی معاشرہ ہے جس کا ہر فرد اپنے بھائی کا آئینہ ہے، جو ہر تہمت اور ہر الزام اور ہر نقص اور عیب سے اس کو بری دیکھنا چاہتا ہے، اور اس کے لئے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے:

﴿لولا إذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بأنفسهم خيرا و قالوا هذا إفك مبين ٥﴾ (۲)

"جب تم لوگوں نے یہ (افواہ) سنی تھی تو کیوں نہ سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے حق میں نیک گمان کیا اور (یہ کیوں نہ) کہہ دیا کہ یہ تو صریح

---

(۱) سورہ حشر/۱۰۔ (۲) سورہ نور/۱۲۔

طوفان بندی ہے۔"

معاشرہ کی اس کیفیت کو رسول اللہ ﷺ نے بڑی بلیغ مثال سے بیان فرمایا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مسلمانوں کی مثال اپنی مودت و ترحم اور شفقت میں ایک جسم واحد کی ہے اگر ایک عضو کو کوئی شکایت ہو جاتی ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے۔"(۱)

یہ ایک معاشرہ ہے، جس کا ہر رکن محافظ، دیانت دار، شریف اور امین اور قابل بھروسہ ہے، حدیث میں ہے کہ "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس کی خیانت کرتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے، نہ اس کو رسوا کرتا ہے اور بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، مسلمان کی عزت، مال اور خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔"(۲)

اس کے برعکس بہت سے ملکوں میں زندگی عذابِ جان اور جہنم کا نمونہ بن گئی ہے۔

﴿كلما دخلت أمة لعنت أختها﴾(۳)

"جس وقت بھی کوئی (نئی) جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی اس کی ہم رنگ دوسری جماعت اس پر لعنت کرے گی۔"

چنانچہ جب کوئی ڈکٹیٹر آتا ہے تو اپنے پیشرو کو لعنت کرتا اور اس پر غداری، ملک دشمنی اور خیانت کا الزام لگانا اپنا فرض سمجھتا ہے، جس کو ایک دن کے لئے بھی اقتدار مل جاتا ہے، وہ اپنے دشمنوں، رقیبوں اور مخالفوں سے سخت سے سخت انتقام لینا چاہتا ہے، اور اس کے لئے ہر قسم کی سفاکی، ظلم و تشدد اور خوں ریزی جائز سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وإذا تولىٰ سعىٰ في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل ط والله لا يحب الفساد ٥﴾(۴)

"اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین پر فساد کرے، اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے درانحالیکہ اللہ فساد کو (بالکل) پسند نہیں کرتا۔"

---

(۱) صحیحین۔ (۲) ترمذی۔ (۳) سورۂ اعراف/۳۸۔ (۴) سورۂ بقرہ/۲۰۵۔

اب اگر کسی کو یہی پر مشقت اور طویل راستہ اور تلخ و ناکام تجربہ پسند ہے تو اس کے لئے قرآن مجید کا یہ ارشاد کافی ہے:

﴿أتستبدلون الذي هو أدنىٰ بالذي هو خيرٌ اهبطوا مصراً فإن لكم ماسألتم﴾[1]

''تو کیا جو چیز ادنیٰ ہے تم اسے لینا چاہتے ہو اس چیز کے مقابلہ میں جو بہتر ہے (تو خیر) کسی شہر میں اتر پڑو (وہیں) مل جائے گا جو کچھ تم مانگتے ہو۔''